دورِ حاضر کا کرب
اور
اِسلام کا نِظامِ رحمت

ڈاکٹر افضل الرحمٰن فریدی

مکتبہ خلیل
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور فون: 7321118

Marfat.com

Marfat.com

دورِ حاضر کا کرب

اور

اسلام کا نظامِ رحمت

(مجموعہ مقالات)

ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی

مکتبہ خلیل

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ

اردو بازار لاہور فون: 7321118

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب: دورِ حاضر کا کرب اور اسلام کا نظامِ رحمت

مصنف: ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی

مطبع: گنج شکر پرنٹرز 7324260

ناشر: وکیل احمد

قیمت: 90 روپے

۴۳۵۸۷

ملنے کے پتے

- مکتبہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
- والی کتاب گھر اُردو بازار گوجرانوالہ
- دینی کتب خانہ بلامبٹ روڈ تبلیغی مرکز تیمر گرہ دیر سرحد
- رحمٰن بک ہاؤس اُردو بازار کراچی
- بیت الکتب گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی
- مکتبہ سیّد احمد شہید اکوڑہ خٹک نوشہرہ

Marfat.com

ترتیب

● تعارف 5

● بیسویں صدی کا منظر نامہ ۷

بے تحاشہ دولت عذاب جان ۷
فضول خرچی اور اسراف میں تیسری دنیا کے... ۹
منظرنامے کا دوسرا رخ ۹
غربت، افلاس اور بھکمری میں اضافہ ۱۰
سائنس اور ٹکنالوجی کے محیر العقول اور... ۱۱
سائنس دانوں کا بھی اعتبار جاتا رہا ۱۲
بنیادی اور عوامی مسائل سے صرف نظر ۱۲
علم وخبر کا انفجار ۱۳
ایک پہلو یہ بھی ۱۴
گزشتہ تین صدیوں کا جائزہ ۱۶
مغربی استعمار کی فسوں کاریاں ۱۶
سوشلزم کی تحریک ۱۸
فاشزم کا پھیلاؤ ۱۸
نئے ہزاریے کی دہلیز پر ۲۱
تحریکات اسلامی کا ظہور ۲۲

● نئی صدی اور امت مسلمہ کے لیے پیغام عمل ۲۵

امت مسلمہ کو درپیش چیلنج اور مستقبل کا لائحہ عمل ۲۶
مغرب کی تہی دامنی اور تجدد اصطلاحات ۲۷
مغربی طاقتوں کا مشترکہ ایجنڈا ۲۸
مسلمانان ہند کا ایجنڈا ۲۹
مقصد کا تعین زیادہ اہم ہے ۲۹
گلوبلائزیشن اور اس کے مضمرات ۳۳
ملی ایجنڈے کی اہم خصوصیات ۳۶

● کیا دور حاضر کو اسلام کا انتظار ہے؟ ۴۱

اخلاقی بحران کی ہمہ گیری ۵۷
تشدد اور قتل وغارت گری کی لہر ۵۸
نوزائیدہ بچیوں کا قتل ۵۹
پولس اور فوج کی چیرہ دستیاں ۶۰
کرپشن کا عروج ۶۱
قانون کا استعمال کس لیے؟ ۶۲
مذاہب کا رول ۶۳
صحیح نقطۂ نظر ۶۴
حق وانصاف کا قیام اور حسن سلوک ۶۵
چشمۂ آب حیات ۶۷

● ازالۂ فساد اور تعمیر معاشرہ کا متوازن منہج ۶۹

اسلامی نظام کے اہم خط وخال ۷۰
ازالۂ فساد اور سماج کی تعمیر ۷۰
پوری انسانیت کا بہی خواہ دین ۷۶
ہوس زر کی مذمت ۷۶

Marfat.com

تصحیحِ عقیدہ اور تطہیرِ افکار ۷۰ | ذوق جمال اور فارغ البالی ممنوع اور حرام نہیں ۷۷
پرامن معاشرے کی تشکیل ۷۲ | اہل وعیال کی پرورش باعث اجر وثواب ۷۷
حیوانات سے حسن سلوک ۷۳ | رزق حلال اور محنت کی حوصلہ افزائی ۷۸
بدامنی کا سدباب ۷۳ | جسمانی محنت کا احترام اور وقار ۸۲
اسلام اور دہشت گردی ۷۴ | دولت کی عادلانہ تقسیم ۸۲
معاشرتی بگاڑ کے اہم اسباب ۷۴

- اسلامی ذہنی ساخت کے اجزائے ترکیبی ۸۵
- داعی الی اللہ ہر انسانی گروہ سے خیر کا متلاشی ہے ۱۰۱
- روحانیت طلبی اور تعمیر دنیا کا حسین امتزاج ۱۱۱

طلب دنیا اور روحانیت ۱۱۴ | اصول پسندی اور لچک ۱۲۰
عقل وجذبات میں توازن ۱۱۸

- کتنی دراز ہے پاکی داماں کی حکایت ۱۲۳
- تحریک اسلامی انسانیت عظمیٰ کی خیر وفلاح کی داعی ۱۳۹

پوری نوع انسانی کی عمومی خیر وفلاح کی داعی ۱۳۹ | ظلم وزیادتی کرنے والوں کے لیے اُمید کی کرن ۱۴۳
کتاب وسنت سے شہادت ۱۴۰ | عصبیت اور حمیت جاہلیہ سے اجتناب ۱۴۴
قرآن نسخۂ شفا اور ہدایت ورحمت ہے ۱۴۱ | معروفات کے قیام اور منکرات کے ازالے کا حکم ۱۴۵
انبیاء ورسل بشیر ونذیر بنا کر بھیجے گئے تھے ۱۴۲ | امت مسلمہ کی موجودہ معاشرت تحریک
بھٹکے ہوئے مایوس لوگوں کے لیے مژدۂ جاں فزا ۱۴۳ | اسلامی کی شناخت نہیں ہے ۱۴۶

- دعوت حق کا فطری میدان کار ۱۴۷
- ملک کے باہمی انتشار کا المیہ ۱۶۵
- یہ آئینہ ہے جس کا جی چاہے اپنا عکس دیکھ لے ۱۷۷

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی ہمارے عہد کے نامور اہل قلم اور ممتاز اسلامی مفکر ہیں۔ انہوں نے دعوت و تحریک، اصلاح و تربیت اور سیاسیات و معاشیات سے متعلق اپنے پر مغز و گراں قدر مقالات اور قیمتی خطبات سے علمی دنیا کے ایک بڑے طبقے کو متاثر کیا ہے۔ فکر کی گہرائی، اسلوب کی سنجیدگی، لہجے کی متانت اور موضوع کا تنوع اور ہمہ گیری ان کی شناخت بن چکی ہے۔ وہ جس موضوع پر لکھتے یا بولتے ہیں، اس کے روشن و تاریک پہلوؤں کو سامنے رکھ کر متعدل و متوازن نتیجہ اخذ کر کے قاری یا سامع کی صحیح رہ نمائی فرماتے ہیں۔ بے جا لچک اور مداہنت و مصلحت کوشی سے ان کی تحریریں اور تقریریں پاک و منزہ ہوتی ہیں۔

زیر نظر کتاب "دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت" ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی کے بارہ مقالات کا مجموعہ ہے۔ یہ وہ مقالات ہیں، جو اگرچہ ماہ نامہ زندگی نو دہلی کے اشارات (اداریوں) کے طور پر لکھے گئے تھے، لیکن ان کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہند و پاک کے متعدد موقر جرائد نے اپنے خصوصی ادارتی نوٹ کے ساتھ انہیں شائع کیا۔ کتاب میں شامل مقالات کے عناوین اس طرح ہیں:

بیسویں صدی کا منظر نامہ، نئی صدی اور امت مسلمہ کے لیے پیغام عمل، کیا دور حاضر کو اسلام کا انتظار ہے؟، ازالۂ فساد اور تعمیر معاشرہ کا متوازن منہج، اسلامی ذہنی ساخت، داعی الی اللہ ہر انسانی گروہ سے خیر کا

Marfat.com

متلاشی ہے، روحانیت طلبی اور تعمیر دنیا کا حسین امتزاج، کتنی دراز ہے پاکیٔ داماں کی حکایت، تحریک اسلامی انسانیت عظمٰی کی خیر و فلاح کی داعی، دعوت حق کا فطری میدان کار، ملک کے باہمی انتشار کا المیہ اور یہ آئینہ ہے جس کا جی چاہے اپنا عکس دیکھ لے۔

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز اس سے پہلے ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی کی کم و بیش ایک درجن کتابیں شائع کر چکا ہے اور ہر کتاب کو اہل علم حلقے میں پزیرائی حاصل ہوئی ہے۔ اب ملک کے موجودہ نازک اور مضطرب حالات میں "دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت" شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ امید ہے کہ اس سے باشندگان ملک خصوصاً ملت اسلامیہ کی صحیح اور ٹھوس رہنمائی ہو سکے گی۔

ناشر

Marfat.com

بیسویں صدی کا منظرنامہ

ہماری زبان میں ایک مثل مشہور ہے کہ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"۔ انگریزی میں بھی اسی طرح کی ایک مثل مشہور ہے: Child is the father of man (بچپن میں جو رجحاناتِ طبع ظاہر ہوتے ہیں، وہی جوانی میں پختہ ہوجاتے ہیں) اِسی پس منظر میں آنے والی صدی کو قیاس کرنا چاہیے۔ ہم کس زادِراہ کے ساتھ اکیسویں صدی میں داخل ہو رہے ہیں؟ ہمارا سماج کیسا ہو؟ اس میں تخریبی رجحانات غالب ہیں یا تعمیری؟ ہمارے افراد کس مزاج سے آشنا ہیں اور کن سرگرمیوں میں مصروف؟ ہمارے اجتماعی اور انفرادی کردار کا محور کیا ہے؟ بیسویں صدی میں کارپرداز قوتوں نے کون سے گل کھلائے ہیں؟ نئی صدی کی دہلیز پر ہم کون سی سوغات لے کر حاضر ہو رہے ہیں؟ ہماری ذہنی ساخت (Mindset) کیا ہے؟ ان سوالات کے جواب پر آنے والی صدی اور نئے ہزاریے کے منظرنامے کا انحصار ہے۔ بیسویں صدی کے منظرنامے کی چند جھلکیاں ملاحظہ کیجیے:

بے تحاشا دولت ـــــ عذاب جان

ایک طرف بے تحاشا دولت اور اسراف ہے۔ ایسا اسراف جو ماضی کے نوابوں اور بادشاہوں کے تخیل سے بھی ورا ہے۔ دولت کی فراوانی عذابِ جان بن گئی ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کہاں اور کس طرح صرف کیا جائے۔ نیویارک ٹائمز نے حال ہی میں امیروں کی مسرفانہ عادات پر ایک رپورٹ شائع کیا ہے۔ اس میں ایک ایسی ایرہوسٹس بھی شامل ہے، جو پارک ایونیو

(Park Avenue) سے اپنے کپڑے کی ڈرائی کلین پر چھ ہزار ڈالر خرچ کر کے اسے برابر پیرس بھیجتی ہے اور ایک ایسا خاندان بھی ہے، جو ہر جاڑے میں اپنے پام کے درختوں کو ہوائی جہاز سے پام بیچ بھیجتا ہے تاکہ وہ سردی نہ کھا جائیں۔ اس خاندان نے ایک ایسا کالا اور سفید فرش بنانے کا حکم دیا، جس کا ڈیزائن ان کے کتوں کے کوٹ سے مل جائے۔ دنیا کی نامور مشاطائیں (Beauticians) دنیا کے تقریباً نصف حصے پر بذریعہ ہوائی جہاز سفر کرتی رہتی ہیں تاکہ وہ پلکوں کی آرائشگی کی خدمت انجام دے سکیں۔ اسکولی بچے موبائل فون پر اپنے اسکول ہی میں شاندار اور آرام دہ گاڑیوں کا آرڈر دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پشمینہ بلینکٹ جن کی قیمت ایک ہزار ڈالر ہوتی ہے، دکانوں سے اس طرح ختم ہو جاتے ہیں گویا وہ اڑ رہے ہوں۔ بے تحاشا خرچ کرنے کا بار سہنے کے لیے خواتین اپنے مددگار ملازم رکھتی ہیں۔ اکثر امیر خواتین کا ساتھ دینے کے لیے ایک سوشل سکریٹری ملازم رکھی جاتی ہے اور بعض ستم ظریف خواتین اپنی سوشل سکریٹری کی تنہائی دور کرنے کے لیے ایک دوسری سوشل سکریٹری رکھتی ہیں۔ بچوں اور بیٹے بیٹیوں پر خصوصی عنایت کرنے کے لیے ان کو ہر پارٹی کے دعوت نامے کے ساتھ ایک گفٹ رجسٹر دیا جاتا ہے، جس میں پسندیدہ کھلونوں کی فہرست ہوتی ہے۔ کھلونے کی قیمت ہزاروں پونڈ بھی ہو سکتی ہے۔ چناں چہ ایک مشہور اور معروف کمپنی کے مالک نے اپنے بیٹے کو (Toy Ferrari) کھلونے کی تلوار کی شکل میں دیا ہے جس کی قیمت ۴۸۰۰۰ پونڈ تھی۔ بچوں کے لیے پشمینہ کوٹ اور جوتے جن کی قیمت ۹۵ پونڈ سے شروع ہوتی ہے، والدین کی پسندیدہ فہرست میں شامل ہو گئے ہیں اور سنیے، بچوں کے لیے ماحول کی آلودگی سے بچنے کے لیے ایسے لبادے بھی ملتے ہیں، جن میں بیٹری سے چلنے والے پنکھے اور فلٹر لگے ہوتے ہیں، جس کی قیمت پانچ سو پونڈ ہوتی ہے۔ انگلینڈ اس دوڑ میں امریکہ سے پیچھے نہیں ہے۔ چناں چہ وہاں سنڈے ٹائمز کی فہرست کے مطابق ایک لاکھ کروڑ پتی ملتے ہیں۔ چناں چہ زمانۂ سابق کی تمام شاہانہ اور مسرفانہ اشیائے صرف مارکیٹ میں تیزی سے واپس آ رہی ہیں۔

''قصر امارت'' اب ماضی کا نہیں، حال کا مظہر ہے۔ چناں چہ کرس ایونس (Chirs Evons) نے ۱۱۷۲ ایکڑ اراضی پر پھیلے ہوئے رقبے میں چھ ملین پونڈ خرچ کر کے دیہات میں اپنا قصر بنایا ہے۔ تقریبات منظم کرنے والی ایک تنظیم کے ڈائرکٹر نے بتایا ہے کہ اس نے حال ہی میں ایک

ایسی تقریبِ ضیافت کا انتظام کیا تھا، جس میں رقص گاہ کا فرش شیشے سے بنایا گیا تھا اور ایک دوسری ضیافت میں چالیس فٹ اونچا فوارہ رقص گاہ کے درمیان بنایا گیا تھا۔

ان امیروں کی دعوتوں میں پچیس اور تیس کورسز عام ہیں۔ جہاں تخیل سے پرے قیمتی شرابوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ خواتین کے شباب کو نمایاں کرنے کے لیے پلیٹنم جیسی قیمتی دھاتوں کی بریسیریز (Braseries) بنائی جاتی ہیں۔ بین الاقوامی غذا اور زراعت تنظیم FAO کی رپورٹ کے بہ موجب کتوں کی غذا پر جتنا کچھ ضائع ہوتا ہے، وہ اگر محفوظ کر لیا جائے تو دنیا کے بھوکے انسانوں کی ایک تہائی تعداد سیر ہو سکتی ہے۔ فائیو اسٹار ہوٹل میں گیزر کے ذریعے جتنا پانی ضائع ہوتا ہے، وہ غریب ممالک کے ان افراد کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے، جو پینے کے صاف پانی سے محروم ہیں۔ (ورلڈ ڈیولپمنٹ رپورٹ ۱۹۹۸ء)

فضول خرچی اور اسراف میں تیسری دنیا کے لوگ بھی پیچھے نہیں

بے تحاشا اخراجات کی یہ عادت صرف امریکہ اور یورپ کے امرا تک محدود نہیں ہے بلکہ غریب ممالک کے امرا میں بھی اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ موجود ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کے وہ ممالک جو تیل کی دولت سے مالا مال ہیں، ان کے امرا ہر سال اپنے شاندار فرنیچر اور ایئر کنڈیشنڈ کاروں کا ماڈل بدلتے ہیں۔ ان کی دعوتوں کے بعد سینکڑوں ٹن روٹیاں سڑکوں پر پھینک دی جاتی ہیں۔ ان کی نو بیاہتا دلہنوں کی عروسی لباسوں کی قیمت لاکھوں روپے تک پہنچتی ہے۔ ہندستان میں بھی ایسے امرا کی تعداد روز افزوں ہے، جو ہزاروں کاروں پر سوار اپنے بچوں کی بارات لے جاتے ہیں اور ہیلی کاپٹر پر فضا میں پرواز کرتے ہوئے شادی کی تقریبات انجام دیتے ہیں۔

منظرنامے کا دوسرا رخ ــــ مشتے نمونہ از خروارے

اس منظرنامے کا دوسرا اسین ملاحظہ کیجیے:

یہ غربت، افلاس اور بھکمری کا سین ہے۔

Marfat.com

غربت، افلاس اور بھکمری میں اضافہ

امریکہ جیسے امیر ملک میں ایسے کالے لوگوں کو آپ دیکھ سکتے ہیں جو گاربیج ٹن (ردی۔کیڑوں کروں) سے غذاؤں کے ٹکڑے چنتے ہیں۔ جن کے مکانات بوسیدہ اور خستہ حال ہیں۔

ہندستان میں ایسے خاندان خاصی بڑی تعداد میں ملتے ہیں، جو غربت کے خوف سے نوزائیدہ بچوں کو اپنے ہاتھ سے مار ڈالتے ہیں۔ یوپی، اڑیسہ، مدھیہ پردیش اور کیرالا کے متعدد اضلاع میں الٹراساونڈ کے بے ضابطہ کلینک کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے، جس کے ذریعے حمل کے چند ہفتوں کے بعد جنس کا پتا لگ جاتا ہے اور متوقع بچیوں کے جنین (Foetus) ضائع کر دیے جاتے ہیں۔ بعض جگہوں پر بچیوں کی پیدائش کے دو ہفتہ کے اندر ان کو مار ڈالا جاتا ہے۔ اس بے رحمی کا سبب یہ ہے کہ غریب ماں باپ بچیوں کے جہیز کے اخراجات کا تصور کر کے خوف زدہ رہتے ہیں۔ (ٹائمز آف انڈیا ۳ر فروری ۲۰۰۰ء) اور (Frontline Feb.4,2000)

نائجر، مالی، جنوبی سوڈان، ملاڈ جیسے ممالک تقریباً دوامی قحط اور بھکمری کا شکار ہیں۔ تیسری دنیا میں لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ایک سے پندرہ برس کی عمر کے بچے ناقص اور ضرورت سے کم غذاؤں کی وجہ سے آنکھ اور پیٹ کے امراض کا شکار ہیں۔ دنیا کی ایک بڑی آبادی کی یومیہ آمدنی ایک امریکی ڈالر سے کم ہے۔ (WDR 1999)۔ ہندستان میں حکومتی اعداد و شمار کے مطابق چالیس فیصد آبادی خطِ غربت سے نیچے زندگی گزار رہی ہے۔ بنگلہ دیش، برما، فلپائن اور جنوبی افریقہ کے متعدد ممالک، مشرقی یورپ کے بعض ممالک زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں۔ صحت و علاج کے ضروری وسائل سے محروم اور تعلیم سے ناآشنا افراد کی کثرت ہے۔ جنوبی ایشیا کے بعض ممالک میں افلاس زدہ خواتین اور بچے، مغربی ممالک کے امرا اور سیاحین کے لیے جسمانی لذت کا ذریعہ بننے پر مجبور ہیں۔ چناں چہ گزشتہ چند برسوں میں جنوبی ایشیا کے ممالک بچوں کے جنسی استحصال (Child Prostitution) میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔

جس دنیا میں امرا ایر کنڈیشنڈ کاروں اور سُپر سونک (آواز سے زیادہ تیز رفتار) ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں، اس کی اکثریت سڑکوں سے بھی محروم ہے اور وہ خستہ حال بسوں اور بوروں کی طرح بھری ہوئی گاڑیوں میں سفر کرنے کا خواب دیکھتی ہے۔ اس دنیا میں ریفیوجی آبادی

Marfat.com

کی مظلومیت بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ افریقہ، فلسطین، بوسنیا، برما، نائجر، مالی اور جانے کتنے ہی ممالک کے افراد ہیں جن کی پوری زندگی ہوسِ ملک رانی کی شکار رہی ہے۔ اس عبرتناک فہرست میں افغانستان کا بھی شمار کر لیجیے۔ جہاں دو تین دہائیوں سے جہاں گیری کی جنگ پہلے روس سے لڑی گئی تھی اور اب امریکہ نے اس کو وسعت دے کر تباہ و برباد کر دیا ہے، جہاں نصف آبادی رفیوجی بن گئی ہے اور زندگی عام ضرورتوں سے محروم، آسمان کے سائے تلے بسیرا کرنے پر مجبور ہے۔

اس زادِ راہ کے ساتھ ہم آئندہ ہزاریے (Millennium) میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہماری پالیسیوں اور حکومتی تدابیر میں اس متضاد سین کے ازالے کے لیے موثر علاج نہ پایا جاتا ہے اور نہ ان کی سنجیدہ تلاش و جستجو ہے۔

سائنس اور ٹکنالوجی کے محیر العقول اور ناقابل تصور کارنامے

اب دوسرا منظر نامہ ملاحظہ کیجیے۔ اس منظر نامے پر بیسویں صدی کو فخر ہے۔ یہ سائنس اور ٹکنالوجی کا سین ہے۔

اس صدی میں سائنس اور ٹکنالوجی کو ایسی ترقی ملی ہے جو بیس یا پچیس برس قبل ناقابل قیاس تھی۔ اس ترقی سے دنیا کے فاصلے سکڑ گئے ہیں۔ سفر کی سرعتِ رفتار اب ہفتوں اور دنوں کے بجائے گھنٹوں میں تبدیل ہو گئی ہے۔ ابلاغ اور ترسیل کے ذرائع نے اخبار اور اطلاع کو ہر شخص کے لیے قابل حصول بنا دیا ہے۔ طب و جراحت نے مہلک امراض کو قابو میں کر لیا ہے۔ اشیائے صرف کے تنوع اور ان کے معیارات کے سامنے عقل حیران ہے، آلات حرب نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب دشمنوں پر سینکڑوں میل کے فاصلے سے بمباری کی جاسکتی ہے۔ ملک کے ملک اور آبادیاں کی آبادیاں سکنڈوں میں تباہ کی جاسکتی ہیں۔ کمپیوٹر کے ذریعہ جنگ بھی لڑی جاسکتی ہے۔ بنکوں کا نظام بھی چلایا جا رہا ہے اور بجلی اور پانی کا موثر بندوبست بھی ہو سکتا ہے۔ الکٹرانک ذرائع سے دنیا کے ہر گوشے کی خفیہ نگرانی (Spy Network) بھی کی جا رہی ہے۔ پوری دنیا میں اپنی فکر، اپنے کلچر اور اپنے مفادات کی اشاعت بھی کی جاسکتی ہے۔ گرمی، سردی اور بارش پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ صرف مالی وسائل کی ضرورت ہے۔ اور مالی وسائل بھی ٹکنالوجی کے طفیل اپنی مرضی سے بڑھائے جاسکتے ہیں۔

Marfat.com

سائنس دانوں کا بھی اعتبار جاتا رہا

اس منظرنامے کا دوسرا سین یہ ہے کہ سائنس اور ٹکنالوجی امرا اور طاقتوروں کی باج گزار بن گئی ہے۔ سائنس داں بھی ایک مافیا (Mafia) میں تبدیل ہوگئے ہیں، جن کا مطمحِ نظر اپنی غیر معمولی اہمیت کا استحکام ہے اور اغنیا کی خدمت۔

بنیادی اور عوامی مسائل سے صرفِ نظر

پوری دنیا میں علمِ طب کے وسائل کا بہت بڑا حصہ ان امراض کا علاج کرنے اور علاج دریافت کرنے پر صرف ہو رہا ہے، جو خوش حال لوگوں سے وابستہ ہیں۔ مثلاً قلب کے امراض، موٹاپا (Obesity) وغیرہ۔ غریبوں کے امراض، ایسے امراض جو غذا کی کمی یا اس کے عدمِ توازن سے پیدا ہوتے ہیں، ان پر نسبتاً حقیر رقم خرچ کی جاتی ہے۔ مثلاً رتوندھی، پیٹ کے امراض وغیرہ۔ دوائیں ایسی ہیں جو بالعموم غریبوں کی دسترس سے باہر ہیں۔ اسپتال وہ ہیں جہاں کوئی مفلس داخل بھی نہیں ہوسکتا۔

غریب آبادی کو سستے مکان اور صحت مند رہائش کیسے فراہم کی جائے، کم قیمت پر صاف پانی کیسے مہیا کیا جائے، آمد و رفت کی سہولت کو غریبوں کے لیے مفید کیسے بنایا جائے، صفائی ستھرائی کے ذرائع کس طرح سستے داموں مہیا کیے جائیں، غریبوں کے شفاخانوں کے لیے ٹکنالوجی کی خدمات کس طرح میسر ہوں، تعلیم کس طرح ہر غریب کی دسترس میں لائی جائے، سائنس اور ٹکنالوجی کا استعمال کرکے ملیریا، تپ دق، ٹائیفائڈ جیسے متعدی امراض کا ازالہ کس طرح کیا جائے؟ یہ، اور ان جیسے دوسرے مسائل سائنس دانوں کی حسابیات سے خارج ہیں۔ جس کی ایک مثال بھارت اور پاکستان ہے۔ جہاں امراضِ قلب کی بہترین سہولتیں میسر کی جارہی ہیں۔ اور معیاری پروفیشنل تعلیم کے وسائل بڑھائے جارہے ہیں۔ کاروں کے ماڈل میں غیر معمولی تنوع آرہا ہے۔ لیکن غریبوں اور ان کے مسائل کو حاشیہ اور فٹ نوٹ میں جگہ دی جارہی ہے۔

اس طرزِ عمل کا سبب یہ ہے کہ جدید ٹکنالوجی انسانیت دوست نہیں بلکہ دولت کی خادم ہے۔ اس کے ذرائع اور وسائل قیمتی ہیں۔ وہ جو وسیلے فراہم کرتی ہے، وہ بھی قیمتی ہیں۔ ان کا

نقشۂ کار بھی کثیر دولت کا متقاضی ہے۔ اس دور کا رجحان یہی ہے کہ ٹکنالوجی وہی موثر ہے اور ذرائع وہی معتبر ہیں، جن کی قیمتیں ہوش ربا ہوں۔ اس رجحان کے ساتھ جب ہم اکیسویں صدی میں داخل ہوں گے تو افلاس، بھکمری، مرض اور جہالت میں اضافہ ہوگا یا کمی؟

اس رجحان کو مستحکم کرنے میں سیاست دانوں کی کم نظری کے علاوہ سائنس دانوں کے مفادات بھی شامل ہیں۔ ورنہ ہندستان اور پاکستان جیسے غریب ممالک میں نیوکلیر ہتھیاروں پر اپنے محدود اور قیمتی وسائل خرچ کرنے کا کیا جواز ہے۔ روس نے امریکہ سے نیوکلیر ہتھیاروں کی دوڑ میں حصہ لے کر اپنی معیشت تباہ کرلی۔ پاکستان بھی اگر اس دوڑ میں شامل رہا تو غالباً اسی نتیجے کا سامنا کرے گا۔ ہندستان پہ جو کچھ گزرے گی، اس کا اندازہ کرنے کے لیے نیوکلیر ہتھیاروں کی پیدائش، ان کے استعمال اور کنٹرول سسٹم پر جو بے تحاشا اخراجات کا تخمینہ لگایا گیا ہے، اس کا بنظر غائر مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہ تباہی کی دوڑ ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کے اس رجحان کے ساتھ، اور اس کی مذکورہ بالا خصوصیات کو اپنے دامن میں سمیٹے انسانیت نئے ہزاریہ میں داخل ہو رہی ہے۔

علم و خبر کا اِنفجار

بیسویں صدی کا تیسرا منظرنامہ علم و خبر کے انفجار (Explosion) سے مرتب ہوا ہے۔ انٹرنیٹ، سائبر اسپس اور ویب سائٹس (Websites) کے طفیل ہر طرح کی خبریں صرف بٹن دبانے سے حاضر خدمت ہو جاتی ہیں۔ صرف خبریں اور اعداد و شمار ہی نہیں بلکہ تصویریں اور نقش و نگار بھی۔ سکنڈ سے بھی کم عرصے میں آپ ہر واقعے اور حادثے کی اطلاع حاصل بھی کر سکتے ہیں اور بھیج بھی سکتے ہیں۔ اربوں الفاظ کو آپ معمولی حجم اور سائز کی ڈسک میں ذخیرہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح ہر غیب حاضر بن گیا ہے۔ ان الکٹرانک ذرائع سے آپ اپنے خیالات، افکار و جذبات کو پوری دنیا میں شائع کر سکتے ہیں۔ وسیع و عریض لائبریریاں اپنی اہمیت کھوتی جا رہی ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب کہ انسان کو کتابوں کے بجائے کمپیوٹر اسکرین کی ضرورت ہوگی۔ یہ سب کچھ انفارمیشن ٹکنالوجی کا انقلاب ہے۔ اور علم و خبر کا سیلاب ہے جس سے دنیا مستفید ہو رہی ہے، (E-mail) ای میل اور انٹرنیٹ کے ذریعے دور دراز کے لوگ اپنے چہیتے افراد سے بات بھی کر سکتے ہیں اور ان کی تصویر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ دنیا کے بہترین معالج سے سفر کی صعوبتوں میں

Marfat.com

مبتلا ہوئے بغیر اپنا علاج بھی کرا سکتے ہیں۔ علم و تحقیق کے رسیا ایک دوسرے سے بآسانی بحث و مذاکرہ کر سکتے ہیں۔ ان وسائل کا نہایت اہم پہلو یہ ہے کہ آپ صرف سامع اور تماش بین نہیں رہ جاتے بلکہ خود بھی سنا اور دکھا سکتے ہیں، جہالت اور بے خبری کے متعلق ہم سنتے چلے آئے تھے کہ انسانیت کے نصف دکھوں کا سبب ہیں۔ اب جہالت اور بے خبری ماضی کی داستان بنتی جا رہی ہیں۔

ایک پہلو یہ بھی ہے

اب اس منظر نامے کا دوسرا رخ بھی دیکھیے۔ یہ اخبارات و اطلاعات کا سیلاب ہے۔ اس نے حکمت و دانش کے خزینے خالی کرنے کا کام بھی کیا ہے۔ اب اختیار تمیزی اور رد و قبول کی حکمت (Wisdom) مغلوب ہوتے جا رہے ہیں۔ اور ان کی جگہ عقلیت (Rationality) نے لے لی ہے۔ علم و خبر کے سیلاب نے آزادانہ غور و فکر (Independent Thinking) اور اختلاف کو تقریباً ناممکن بنا دیا ہے۔ یہ محض موہوم اندیشہ نہیں ہے بلکہ اس کے مظاہر قدم قدم پر ملتے ہیں۔ امریکہ اور اس کے خادم ماہرین مالیات اور بین الاقوامی اداروں نے پوری دنیا کو یہ باور کرا دیا ہے کہ آزاد معیشت ہی تیسری دنیا کی غربت اور افلاس کا واحد علاج ہے۔ اب کس کی مجال ہے کہ وہ اس نقطہ نظر سے اختلاف کرے۔ اور اگر کچھ سر پھرے اس سے اختلاف کریں بھی تو ان کی آواز مدھم پڑ جاتی ہے۔ طاقتور قوموں نے پوری دنیا میں دہشت گردی کا ہوا کھڑا کر دیا۔ ذرائع ابلاغ نے اس کی موثر ترسیل کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اب کون یہ کہہ سکتا ہے کہ دہشت گرد اکثر وہ بن گئے ہیں جو مظلوم ہیں۔ اس پر مستزاد دہشت گردوں کے نام ہیں کہ ''یہ اسلامی دہشت گردی ہے۔'' بے چارے مسلمانوں کے پاس اخبارات اور اطلاعات کے اتنے وسائل کہاں جو اس کی موثر تردید کر سکیں۔ امریکہ نے ذرائع ابلاغ کی غیر معمولی قوت سے کام لے کر یہ جھوٹ پھیلا رکھا ہے کہ طالبان دہشت گرد ہیں۔ اب ساری دُنیا اس کی سُر میں سُر ملا رہی ہے۔ اس لیے کہ اخبارات اور اطلاعات پر اس کا تسلط ہے۔ اب کون ہے جو آزاد ذرائع تحقیق سے کام لے سکے اور جھوٹ اور سچ میں تمیز کر سکے۔

حق و انصاف کے حصول کے لیے تاریخ میں ہمیشہ Dissent اختلاف رائے کو کلیدی اہمیت حاصل رہی ہے، لیکن اخبارات و اطلاعات کے طوفان نے دانشوروں اور حق پسندوں کی

استعداد کو گویا مفلوج کر دیا ہے۔ مزید برآں، دولت اور اسباب عیش و عشرت کی خوش نما تصویریں کیبل ٹی وی اور انٹرنیٹ کے ذریعہ ہر گھر میں اپنا جلوہ دکھا کر ان کے حصول کے لیے دیوانہ بناتی ہیں اور ان کے لیے اشارۂ دلیل راہ بن جاتی ہیں۔ جو ان سے اختلاف کرنے کا پھر بھی حوصلہ پاتا ہے، اسے ذرائع ابلاغ دہشت گرد، ماضی پرست اور مجنوں (Fanatic) قرار دیتے ہیں۔

انٹرنیٹ، سائبر اسپیس اور ویب سائٹس نے جھوٹ، شہوت پرستی، ہم جنسی کو فروغ دینے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہفوات و خرافات پر مشتمل ہزاروں ویب سائٹس موجود ہیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعے پورنوگرافی کے مناظر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ننگی اور عریاں خواتین کی تصویروں سے حظ اٹھایا جاتا ہے۔ ان کے ذریعے گھناونے عشق و محبت کے مکالمات میں مصروف رہا جاتا ہے۔ تشدد کے رجحانات کی تشفی بھی کی جاتی ہے۔ ان قبیح اثرات سے بچے بھی محفوظ نہیں ہیں۔ چناں چہ امریکہ جیسے آزاد ملک میں بچوں کے لیے کارٹون اور ٹی وی پروگراموں پر حکومت نے پابندی لگانے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کی ہیں۔ انٹرنیٹ پر موجود خرافات سے نہ نوجوان محفوظ ہیں اور نہ ادھیڑ عمر کے مرد اور خواتین! چوں کہ یہ پروگرام یک طرفہ نہیں ہوتے اس لیے ہر شخص اپنی نفسانی خرافات کو دوسروں تک پہنچا کر اپنے رجحانات کی مسلسل آبیاری بھی کرتا رہتا ہے۔ اباحیت اور جنس پرستی کے پہلو میں انسانیت کے لیے مہلک نام نہاد روحانی اور پراسرار (Occult) مذہبیت کی بھی اشاعت کی جاتی ہے۔ خودکشی کو اپنا نصب العین بنانے والے بھی انٹرنیٹ پر مل جاتے ہیں۔ ایسے مذہبی گروہ بھی اپنی ہفوات پیش کر رہے ہیں جن کا مقصد اپنے سے مختلف مذاہب کے لوگوں کے قتل اور غارت گری پر ابھارا جانا ہے۔ دوسرے مذاہب، خاص کر اسلام کی تصویر مسخ کرنے کے لیے بھی ویب سائٹ استعمال کی جا رہی ہیں۔ قرآن کریم کا مسخ شدہ ایڈیشن بھی مل جاتا ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ان ذرائع سے اخلاق و کردار، عفت اور پاکیزگی کی بھی اشاعت کی جا سکتی ہے، لیکن ان کی موجودگی آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔

الکٹرانک ذرائع سے فائدہ اٹھا کر مغرب اپنے مادہ پرست، اباحیت زدہ، اخلاق و کردار سے عاری کلچر کو بھی فروغ دینے میں کامیاب ہے، ''جینس'' اور ''کولا'' کلچر نوجوانوں میں مقبول ہے۔ سیکس زدگی اور اباحیت شہروں میں نہایت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ ہماری نسل کے ہیرو پاپ سنگر میکائل جیکسن بنتے جا رہے ہیں۔ اور اپنے عظیم ورثۂ ثقافت سے بے خبری عام

Marfat.com

ہے۔ انفرادیت پسندی، خاندانی روابط کو توڑ رہی ہے۔ مغرب کے آداب واطوار (Etiquette) اختیار کرنا فیشن بنتا جارہا ہے۔ اباحیت اور آزاد جنسی مباشرت کو فروغ دینے کے لیے ''تولیدی حریت'' (Reprductive Freedom) کے نعرے مغرب سے درآمد کیے جارہے ہیں، غیر متوازن اِمپاورمنٹ کی تحریکیں انہیں ذرائع سے فروغ پارہی ہیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ سرمایہ داری اور مغربی ثقافت کو ذرائع ابلاغ تاریخ کا اختتام (End of History) قرار دے رہے ہیں۔

معلومات اور اخبار، کے اس طوفان کے درمیان غلط اور صحیح، مضر اور مفید، صحت مند اور مریضانہ پروگراموں میں تمیز اور تفریق عام کرنا انسانوں کے لیے بہت مشکل ہے بلکہ ناممکن بھی۔ بچے یا نوجوان بٹن دبا کر ہر پروگرام دیکھ سکتے ہیں۔ ان کو یہ اختیار تمیزی حاصل نہیں ہوتا جو پسندیدہ اور ناپسندیدہ کے درمیان فرق کر سکے۔ اس لیے وہ ہر دلچسپ اور بظاہر حسین تصویر اور مکالمے سے محظوظ ہوتا ہے۔ ٹی وی اور انٹرنیٹ کے ذریعہ نوجوان ہزاروں گھنٹے قتل وغاری کے واقعات دیکھتا ہے۔ سیکس اور شہوت پرستی کے مناظر سے محظوظ ہوتا ہے۔ ہزاروں جرائم کے سین اس کی نظروں سے گزرتے ہیں۔ جھوٹ، خیانت اور دھوکے کی کہانیاں دیکھتا ہے۔ آخر اس سے کس نوعیت کا کردار تیار ہوگا؟ کردار اور فکرو نظر کی اس سوغات کے ساتھ ہم اگلی صدی (بلکہ اگلے ہزاریے) میں داخل ہو رہے ہیں۔

گزشتہ تین صدیوں کا جائزہ

چوتھا منظر نامہ گزشتہ ملینیم بالخصوص اٹھارویں، انیسویں اور بیسویں صدی کے سیاسی واقعات سے ترتیب پاتا ہے۔

مغربی استعمار کی فسوں کاریاں

گزشتہ ہزاریے کی ابتدائی نصف تاریخ، سرمایہ دارانہ استعمار کی تاریخ قرار دی جاسکتی ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک ایک کے بعد ایک مغرب کی سرمایہ دارانہ استعماری قوتوں کا شکار بن گئے۔ ہندستان، جنوبی ایشیا، مشرق وسطٰی کے مسلمان اور کتنے دوسرے ممالک ایک کے بعد ایک استعماری قوتوں کے سامنے سرنگوں ہوگئے۔ اگرچہ استعماری قوتوں کے عروج کے ساتھ ہی ساتھ

Marfat.com

ان سے برسرپیکار قوتیں بھی وجود پزیر ہوئیں۔ لیکن سیاسی استعمار صرف سیاسی غلامی نہ تھا۔ بلکہ اس نے ہر ملک میں اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے محکوم ملکوں کی تہذیب وثقافت کو متاثر کرنے اور اپنے عزائم کی تکمیل میں مدد دینے کے لیے دور رس معاشی اور فکری اقدامات بھی کیے۔ ہندستان میں اس استعمار نے قدیم صنعتوں کو تباہ کر کے پورے ملک کو اپنی برآمدات کی مارکیٹ بنادیا۔ ہندو مسلم تعلقات میں نفرت پیدا کرنے کے لیے نئی تاریخ رائج کی۔ تعلیم کا نظام ایسا بنایا جو غالب حکومت کے لیے کارپرداز فراہم کرے۔ مشرق وسطیٰ کے مسلمان خواص وعوام کے اسلامی عقیدے اور تہذیب سے وابستگی کمزور کرنے کے لیے ان کو مسخ کیا۔ فصیح عربی زبان کو جو قرآن کے محور پر قائم تھی، کی جگہ عوامی زبان کو ادب اور سیاست دونوں کی زبان بنادیا۔ لباس، رہن سہن اور عمومی طرز معاشرت کی اسلامی شناخت مٹانے کی پوری کوشش کی۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مستشرقین کی ایک فوج تیار کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً تمام مسلم ممالک میں ہمہ جہتی تہذیبی زوال آنے لگا۔

نوآبادیاتی نظام کے خلاف جدوجہد اگرچہ اٹھارویں صدی سے شروع ہوگئی تھی۔ مگر اس جدوجہد کو یورپ اور ایشیا کے ممالک میں سوشلزم کے ظہور سے غیر معمولی مدد ملی۔ مارکس اور اینجلس نے انیسویں صدی کے نصف ہی سے پرولتاری انقلاب کا تصور پیش کرنا شروع کردیا تھا۔ اس سے الگ انیسویں صدی کے آخری ربع میں مزدوروں کی پارٹیاں یورپ کے متعدد ممالک میں بن گئی تھیں اور ملکی سیاست میں اہم رول ادا کرنے لگی تھیں۔ ۱۹۲۰ء تک یہ جماعتیں یورپ کے کئی ممالک مثلاً جرمنی، آسٹریا، بلجیم، سویڈن، ناروے میں کلیدی اہمیت حاصل کرگئی تھیں۔ مگر بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں روس میں ''بالشویک انقلاب'' ظہور پزیر ہوا جس کی کامیابی اور جس کے سنہرے وعدوں نے دنیا کے بیشتر ممالک کو اپنے سحر میں گرفتار کرلیا۔ پرولتاری جماعتوں اور سوشلسٹ انقلاب کو نہایت تیزی سے مقبولیت حاصل ہوگئی۔ مگر اس سے پہلو بہ پہلو فاشزم کو بھی نمایاں مقبولیت حاصل ہوگئی۔ خاص کر اسپین، جرمنی اور آسٹریا جیسے ممالک میں، جہاں فاشزم نے انتہائی شدت پسندی کا رخ اپنالیا۔

Marfat.com

سوشلزم کی تحریک

سوشلزم کی تحریک نے دو اہم محاذوں پر غیر معمولی پیش رفت کی۔ اول، اس نے قوم پرستانہ جذبات کو تقویت پہنچائی جس کی غایت استعمار سے آزادی تھی۔ چوں کہ قوم پرستوں کی لڑائی استعماری ممالک کے خلاف تھی جن میں سب ہی مغرب کی سرمایہ دارانہ طاقتیں تھیں۔ مثلاً انگلینڈ، فرانس وغیرہ، اس لیے قوم پرستانہ تحریک آزادی کو بیشتر ممالک میں سوشلزم کی شکل میں حلیف مل گیا۔ چناں چہ آپ دیکھتے ہیں کہ بیسویں صدی میں استعمار کے پنجے سے آزاد ہونے والے بہت سے ممالک نے سوشلزم نظام حیات کو اختیار کرنے کی طرف مثبت پیش قدمی کی۔ جس کی مثال ہندستان بھی ہے۔ ان تحریکات آزادی میں بہت سی جگہوں پر کمیونسٹ حضرات نے اہم رول ادا کیا اور اپنے ملک کی تعمیر نو میں رہنمائی کا مقام حاصل کرنے کی کوشش کی۔

سوشلزم کی تحریک کا دوسرا اہم کارنامہ یہ تھا کہ اس نے سرمایہ داری کے تراشے ہوئے بتوں پر کاری ضرب لگائی۔ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام فکر نے انسانوں کو غریبوں اور امیروں میں تقسیم کیا تھا۔ دونوں کے حقوق میں امتیاز کو معقول ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کے فلسفے تراشے تھے۔ استعماری قوتوں نے یہ طرز فکر بھی رواج دینے کی کوشش کی تھی کہ سفید فام اقوام فطری اعتبار سے براؤن اور کالی قوموں سے برتر ہیں۔ ان کے فلسفے نے قوم اور وطن کے بت بھی تراشے تھے۔ انہوں نے قوم کا ایسا تصور دیا تھا جو صرف جغرافیائی حدود سے تشکیل پاتا تھا۔ اس میں تہذیب اور اقدار کی گنجائش نہ تھی۔ بعد میں قوم (Nation) کا یہ تصور مزید نکھار کر دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔ اقتدار اعلیٰ کو قوم کا فطری حق قرار دیا گیا۔ اور یہ نعرہ بھی تصنیف کیا گیا کہ ''میری قوم ہمیشہ حق پر ہے''۔ سوشلزم نے ان تصورات پر دو جہت سے کاری ضرب لگائی۔ اس نے یہ فکر عام کی کہ دنیا کے سارے مزدور ایک ہی جماعت ہیں۔ ملک اور وطن کی سرحدیں ناقابل اعتبار ہیں۔ ان کی جدوجہد بھی ایک ہے اور ان کے مفادات بھی۔ دوسری جہت سے اس نے سماجی مساوات اور عدل وانصاف کا سبق بھی سکھایا۔

فاشزم کا پھیلاؤ

فاشزم اور انقلاب کے اس غیر معمولی جارحانہ تصور نے بیسویں صدی میں دو عظیم

Marfat.com

جنگیں بھی دنیا پر مسلط کیں۔ عالمی جنگ اول اور عالمی جنگ ثانی - دونوں ہی کی ابتدا فاشزم کے علمبردار ممالک سے ہوئی۔ ان جنگوں کے نتیجے میں لاکھوں جانیں ضائع ہوگئیں اور تباہی و بربادی کے عفریت نے ساری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کا اندوہناک اختتام جاپان پر ایٹم بم کی قیامت صغریٰ سے ہوا۔ مگر ان جنگوں سے بالکل غیر متوقع طور پر کچھ اچھے نتائج بھی برآمد ہوئے۔ سیاسی استعمار کمزور پڑ گیا اور ایک کے بعد ایک متعدد ممالک آزاد ہوگئے۔ انڈونیشیا، ملیشیا، برما، ہندستان، مشرق وسطی کے بیشتر ممالک سیاسی محکومی سے چھٹکارا پاگئے۔ محکوم ملکوں کی آزادی کے واقعات بالعموم دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر شروع ہوئے جن کی تعمیر اور تشکیل نو پر سوشلزم کا غیر معمولی اثر نظر آتا ہے۔ ان جنگوں کا ایک دوسرا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ پوری دنیا دو بڑی سپر طاقتوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک امریکہ اور دوسرا سویت یونین۔ ان دونوں سپر پاورس کے باہم متقابل ہونے کی وجہ سے کسی کو اپنی من مانی کرنے کی چھوٹ حاصل نہ تھی۔ اس لیے چھوٹے اور کمزور ممالک بھی اپنی محدود دنیا میں نسبتاً خود مختار اور آزاد تھے۔ متقابل سپر پاورس کے مابین ہتھیاروں کی دوڑ برابر جاری رہی۔ ان میں ہر ایک کے زیر اثر ممالک بھی حسب مقدور شامل تھے۔

انیسویں صدی کے آخر میں سیاسی استعمار دنیا کے بیشتر ممالک پر مسلط تھا۔ اور اب بیسویں صدی کے آخر میں ایک دوسرا استعمار غالب ہے۔ اس استعمار کو اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے ملکوں کی عسکری تسخیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ استعمار سیاسی استعمار سے کہیں زیادہ ہمہ گیر ہے۔ اس کی گرفت بھی شدید تر ہے۔ یہ استعمار معاشی بھی ہے اور فکری اور تہذیبی بھی۔ سوویت یونین کے انہدام کے بعد اب پوری دنیا میں صرف ایک ہی طاقت سپر پاور طاقت کا کردار ادا کر رہی ہے۔ اس طاقت کا نام امریکہ ہے۔ امریکہ، سرمایہ دارانہ نظام زندگی کا سرخیل ہے۔ امریکہ کو یہ سرداری صرف سوویت یونین کے انہدام سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں، بالخصوص دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپ کی اتحادی طاقتوں نے اپنے وسائل کو بڑی حد تک برباد کر دیا تھا۔ چناں چہ انیسویں صدی کے آخر میں ہی امریکہ یورپ پر سبقت حاصل کر چکا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ نے تمام بین الاقوامی مطالبات کو طے کر کے سرمایہ دارانہ ممالک میں برتری حاصل کر لی تھی۔ اس کے بعد کمیونزم کا زوال ہوگیا۔ اور اب ہم

سرمایہ دارانہ نظام زندگی کے علم برداروں کو کامیابی اور اعتماد کی سرمستی میں غرق پا رہے ہیں۔ اب ہم اس طرح کے اعلانات سن رہے ہیں کہ "تاریخ ختم ہوگئی"، "نظریات، قصۂ پارینہ بن گئے"۔ "جدیدیت (Modernity) بھی ختم ہوگئی ہے"۔ "سوشلزم ختم ہوگیا"۔ "قوم اور قوم پر مبنی ریاستیں بھی ختم ہوگئی ہیں"۔ اور اب مزید یہ نعرہ بھی سننے کو مل رہا ہے کہ "علم معاشیات کی موت ہوگئی"۔ یہ مختلف اعلانات دراصل سرمایہ داری میں غیر معمولی اعتماد کا اظہار ہیں کہ انسانیت اپنے تمام سفر سے گزر کر بالآخر اس نتیجہ پر پہنچ گئی ہے کہ سرمایہ داری ہی واحد شاہراہ ہے جس سے اس کو گزرنا ہے۔

بیسویں صدی کی آخری دہائیوں سے ہی امریکہ نے عالمی مارکیٹ اپنی سرکردگی میں منظم کرنا شروع کر دیا تھا اور اب ساری دنیا کی مالیات اور ان کے اقتصادی منصوبے اس کی مرضی کے مطابق چل رہے ہیں یا چلائے جانے پر مجبور ہیں۔ تیسری دنیا کے تمام ممالک کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ بین الاقوامی سرمایہ کی راہ میں حائل ہر رکاوٹ دور کریں، "عالمی تجارت تنظیم" WTO کے ذریعہ امریکہ کی کمپنیوں کے طرز عمل اور ان کے طرز انتظام کو عام کیا جا رہا ہے، جس سے تیسری دنیا سرمایہ دار ممالک کے مفادات کی خدمت گار بن جائے۔ نجی کاری (Privatisation) گلوبلائزیشن اور آزاد بین الاقوامی تجارت اختیار کرنے کے لیے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) اور عالمی بینک تیسری دنیا کے ممالک کو مجبور کر رہے ہیں کہ اگر انہیں مالی تعاون کی ضرورت ہو تو ان کے تیار کردہ نسخۂ شفا کو اختیار کریں۔

اپنے استعماری تسلط کو مستحکم کرنے کے لیے اور اپنی تہذیب کو تیسری دنیا میں غالب کرنے کے لیے وہ انفارمیشن ٹکنالوجی کو خوب خوب استعمال کر رہا ہے۔ انفارمیشن انڈسٹری میں وہ سب سے اہم کارپوریٹ پاور ہے۔ اس نے سٹیلائٹ کا جال بچھا رکھا ہے۔ اس کے ذریعہ وہ امریکہ میں گڑھی ہوئی خبریں عام کرتا ہے۔ ان کے لیے اس نے ٹریننگ اور تعلیم کا ایسا جال بچھا رکھا ہے کہ خبریں نشر کرنے والے بھی انہیں خطوط پر عمل کر رہے ہیں، جن کو وہ وضع کرتا ہے۔ انفارمیشن انڈسٹری کی پیداوار، غیر جانبدار علم و خبر نہیں ہے۔ بلکہ وہ نظریات کو کنٹرول کرتی ہے، افکار اور تصورات وضع کرتی ہے، اس نے تیسری دنیا کی سوچ اور اس کی ثقافت پر غیر معمولی اثرات ڈالے ہیں۔ چناں چہ ہم وہی دیکھتے ہیں جو امریکہ کو منظور ہے اور وہی سوچتے ہیں جو وہ

Marfat.com

چاہتا ہے۔ اس کی ایک عبرتناک مثال یہ ہے کہ نجی کاری کی دھن میں ہم غریبوں اور مفلسوں کو بھول گئے ہیں۔ ہندستان میں ''سودیشی کرن'' والوں کی ذہنی صفائی (Brain Washing) بھی اس کا ثمرہ ہے۔ عالمی سرمایہ داروں کی چالوں کا اندازہ کرنا ہو تو جنوب مشرق ایشیا کے ان ممالک کا حشر دیکھ لیجیے، جنہیں ''ایشین ٹائگر'' کہا جاتا تھا۔ پہلے ان ممالک کو بے تحاشا سرمایہ ایسے ممالک سے درآمد کیا گیا جو عارضی طور پر سست گام تھے اور جہاں ان کی افراط تھی۔ اور اب جب کہ یہ ممالک بحرانی دور سے گزر رہے ہیں تو انہیں کے وسائل حیرت انگیز طور پر کم قیمت پر خریدے جا رہے ہیں۔ عالمی سرمایہ نے پہلے اقتصادی ترقی کی راہ دکھا کر کنٹرول کیا اور اب بحران میں بھی وہی لوگ کنٹرول کے نئے طریقے آزما رہے ہیں۔

اس استعمار کے لیے فوج کشی ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ صنعتی سسٹم، قومی وسائل اور محنت کشوں کے دماغوں پر کنٹرول کرتا ہے۔ مگر عالمی استعمار کا یہ نیا خواب امریکہ کی فوجی قوت سے بے نیاز نہیں ہے۔ اگرچہ ظاہر میں یہ معاشی پالیسی، عالمی پیداوار کے بہت بڑے حصے پر امریکی تسلط اور بیشتر ممالک کی غیر معمولی محتاجی سے تشکیل پاتا ہے، لیکن امریکہ ان بنیادوں پر چلنے کے لیے دنیا کو مجبور بھی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جیسا کہ اس نے دنیا کے متعدد ممالک میں اپنی فوجی طاقت استعمال کر کے ثابت کیا ہے، مثلاً ویتنام، ایل سلواڈور وغیرہ۔ کیا بعید کہ اکیسویں صدی میں معاشی اور سیاسی استعمار از سر نو فوجی استعمار میں تبدیل ہو جائے۔

نئے ہزاریے کی دہلیز پر

بیسویں صدی کے اس استعمار کے ساتھ ہم نئی صدی (یا نئے ملینیم) کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ ہمارے وطن کی زمین ضرور ہمارے اپنے زیر نگیں ہے، لیکن ہمارے وسائل، ہمارے صنعتی نظام، ہماری تہذیب و ثقافت اور ہمارے انداز فکر و نظر پر سرمایہ داروں کے قائد کی نظر کرم ہے۔ بین الاقوامی تعلقات میں ہر ملک اس کی مرضی کا پابند ہے اور ایسے مفادات کے تحفظ کے لیے اس کی عسکری قوت کا محتاج ہے۔ اپنی معاشی پالیسی وضع کرنے کے لیے بیشتر ممالک اس کی رہنمائی سے خطوط کار متعین کرتے ہیں۔ ہم کون کون سی مصنوعات بنائیں، کتنی مقدار میں بنائیں اور کتنا برآمد کریں۔ کس قیمت پر برآمد کریں۔ ان سب کے لیے ہم امریکہ اور اس کے حلیف

Marfat.com

اداروں اور طاقتوں کی طرف دیکھنے کے لیے مجبور ہیں۔ یہ استعمار کابوس کی طرح دنیا پر مسلط ہے۔ اگر ایران اور طالبان جیسے سر پھرے اس سے بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں تو ان پر کبھی امریکہ خود تن تنہا اور کبھی اقوام متحدہ کے ذریعے پابندیاں عائد کرتا ہے۔ فوج کشی کی دھمکی دیتا ہے اور انفارمیشن ٹکنالوجی کے ذریعے ان کو دہشت گرد، حقوق انسانی کا مخالف اور غیر مہذب (Rogue) اسٹیٹ قرار دیتا ہے۔ ہم اُسی استعمار کے ساتھ نئی صدی میں داخل ہو رہے ہیں، جس طرح انیسویں صدی کے اواخر میں دنیا پر سیاسی استعمار غالب تھا۔ البتہ ان میں ایک اہم فرق ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں استعمار کو چیلنج کرنے والی قوتیں برسر پیکار نظر آتی تھیں۔ مگر اس وقت کے استعمار کے خادم قوم پرست بھی ہیں اور بچے کھچے سوشلسٹ نظام کے علم بردار بھی۔

تحریکات اسلامی کا ظہور

تحریکات اسلامی کا ظہور اور فروغ بھی گزرے ہوئے ہزاریے کے نصف آخر کا مہتم بالشان واقعہ ہے۔ گزشتہ ہزاریے میں کئی صدیاں مسلمانوں پر بہت بھاری گزری تھیں۔ خلافت اور حکومت کی آخری علامت، عثمانی حکومت کے ختم ہو جانے کے بعد، نو آبادیاتی نظام نے ہر مسلم ملک پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔ مگر یہ صرف سیاسی اقتدار سے محرومی کے دور کا آغاز نہ تھا بلکہ اسلام سے عقیدت اور وابستگی کے غیر معمولی اضمحلال کے دور کا آغاز تھا۔ مغرب کے نام نہاد مفکرین اور مستشرقین نے اپنے سایۂ عاطفت میں ایسے ہزاروں مفکر اور مصلح پیدا کر دیے تھے، جنھوں نے اسلام کے ہر عقیدے اور ہر قدر پر سوالیہ نشان لگا دیے تھے۔ یہ مفکرین اور خود ساختہ مصلحین اسلام کو ماضی کی یادگار قرار دیتے تھے اور اس کی تاریخ، اس کے عقائد اور اس کے نظام معاشرت کی تصویر کو مسخ کرنے میں منہمک تھے۔ اسلام اپنے وابستگان کے ملک میں تضحیک اور استہزا کا شکار تھا۔ دین دار مسلمان بھی گوشہ گیر ہو گئے تھے۔ ان کا یہ اعتماد کھو گیا تھا کہ اسلام اس دور میں بھی ان کو عزت اور وقار عطا کر سکتا ہے۔ کمال اتاترک یورپ کے مرد بیمار (ترکی) کے ایسے ہی مصلح بن کر چھا گئے تھے۔ مصر، شام، ایران ہر ملک میں ایک قوم ایسی تیار ہو گئی تھی، جو اپنی تحریر اور عملی جدوجہد سے مسلم عوام کو یقین دلا رہی تھی کہ مغرب چڑھتا سورج ہے اور اسلام داستان پارینہ۔ ہندستان میں قادیانی مذہب ظہور پذیر ہوا اور علامہ عنایت اللہ مشرقی جیسے لوگ قائد اور رہنما بن

۲۳۵۸۷

Marfat.com

گئے تا کہ اسلام کو محض خدمتِ خلق بنا کر پیش کیا جا سکے۔ اس طرح مسلمان عوام اور خواص ششدر اور پریشان تھے۔

دوسری جانب، مسلمان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا، سوشلزم اور سرمایہ داری کے دو متقابل فکری اور سیاسی طاقتوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ دونوں ہی مادہ پرست نظریات کے حامل تھے، دونوں ہی انسانیت کے چارہ گر ہونے کے دعویدار تھے، سوشلزم کے نظریات، کامن سنس ہر دل عزیز تھے، جو ان کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت کرتا تھا اس کو ماضی پرست (Obscurantist) یا سرمایہ داروں کا 'جی حضوریہ' قرار دیا جاتا تھا۔

اس دور کی انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں تحریکاتِ اسلامی کا ظہور ہوا، مصر میں حسن البنا، سید قطب اور ہند میں سید ابوالاعلیٰ مودودی، ان تحریکات میں سب سے نمایاں تھے۔ ان سے پہلے شاہ ولی اللہ، سید احمد سرہندی، محمد بن عبدالوہاب، شاہ اسماعیل شہید، جمال الدین افغانی اور علامہ اقبال نے ان تحریکات کے لیے بنیادی تعمیر کی تھیں۔

تحریکاتِ اسلامی نے مسلمانوں کا کھویا ہوا اعتماد بحال کرنے میں غیر معمولی خدمت انجام دی۔ انہوں نے ایک بار پھر وہ جذبہ، اور وہ عزم و حوصلہ پیدا کیا جس کے طفیل مسلمان ہر دور میں اپنی جانیں لٹاتے رہے ہیں۔ انہوں نے امت میں یہ اعتماد بحال کیا کہ ان کی عظمت اور وقار صرف دینِ حق سے وابستگی میں مضمر ہے۔ ان تحریکوں نے امتِ مسلمہ کو اپنا منصب اور اپنا فریضہ یاد دلایا کہ وہ کوئی جغرافیائی ملت نہیں ہیں اور نہ نسل اور رنگ پر مبنی کوئی گروہ ہیں۔ بلکہ ایک اصولی اور نظریاتی ملت ہیں۔ ان تحریکات نے ملتِ اسلامیہ میں یہ یقین بھی پیدا کیا کہ ان کو اپنے دنیوی مسائل کے حل کے لیے سوشلزم، قوم پرستی یا مغربی لبرلزم کی طرف رجوع ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اسلام میں ان کا شافی اور کافی حل موجود ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے تین چوتھائی حصے میں تحریکاتِ اسلامی، تمام قابلِ ذکر مسلم ملکوں اور مسلم آبادی میں ابھریں اور شائع ہوئیں، انڈونیشیا سے لے کر مشرقِ وسطیٰ تک ہر ملک میں ان کو مقبولیت حاصل ہوئی۔

تحریکاتِ اسلامی نے صرف امتِ مسلمہ پر ہی اپنے اثرات نہیں ڈالے بلکہ پوری انسانیت میں رائج نظریات کے بالمقابل ایک جامع متبادل پیش کیا۔ ان تحریکات نے دنیا کو

Marfat.com

دعوت دی کہ وہ اسلام کا مطالعہ کرے۔ یہ دین اس دور کے تمام مادہ پرست، نظریات کے برعکس اخلاق اور روحانی اقدار پر مبنی نظریۂ حیات ہے۔ سوشلزم، لبرلزم، قوم پرستی، عقلیت پرستی، فاشزم۔ سب کو رد کرتا ہے اور یکسر متبادل نظام فکر و عمل پیش کرتا ہے۔ الغرض تحریکات اسلامی نے اس دور میں اسلام کو ایک چیلنج بنا کر پیش کر دیا۔

ان تحریکات کو پہلے مغرب نظر انداز کرتا رہا۔ اس کو سوشلزم اور کمیونزم سے نبٹنے سے فرصت نہ تھی۔ دوسری جانب اس کو یہ اندازہ نہ تھا کہ اسلام ایک نئی قابل لحاظ قوت بن کر ابھر سکتا ہے۔ لیکن جب کمیونزم منہدم ہو گیا اور اسلام روز افزوں مسلمانوں کے جذبات کا ترجمان بننے لگا تو مغرب نے اپنی تمام یورش کا رخ انہیں تحریکات کی طرف موڑ دیا ہے۔ نئی صدی کی ابتدا صرف امت مسلمہ کے لیے ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ایک سوالیہ نشان ہے۔ یہ چیلنج کن حقائق کا نتیجہ ہے اور اس کے متوقع نتائج کیا ہو سکتے ہیں، یہ بڑی حد تک تحریکات اسلامی کے ردعمل اور ان کی ہوش مندانہ حکمت عملی پر منحصر ہے۔

نئی صدی
اور امتِ مسلمہ کے لیے پیغامِ عمل

نئی صدی کی آمد پر پوری دنیا میں بڑا شور و غوغا رہا۔ جشن سرمستی منانے کے پروگرام ترتیب دیے گئے۔ یہ خروش سرمستی مغرب سے درآمد کی گئی۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ دورِ حاضر میں تو ہر جوش کا اظہار، اور ہر ہوش کا آہنگ مغرب سے ہی درآمد ہوتا ہے۔ جو اپنے ساتھ صرف مظاہر اور وسائل ہی نہیں لاتا بلکہ تہذیب بھی برآمد کرتا ہے اور رنگِ انسانیت بھی لاتا ہے۔ اس جوش و خروش کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ جدید ہزاریہ Millinium ایک برس پہلے شروع کر دیا گیا۔ گویا پچھلی ساعتیں ایسی تھیں جن سے جتنی جلد دامن جھاڑ لیا جائے، اتنا ہی بہتر ہوگا۔

گزرے وقتوں کے لوگ مستقبل کی بہاروں کا اندازہ، ٹھنڈی اور عطر بیز ہواؤں سے لگاتے تھے۔ اور اب میڈیا خزاں اور بہار کے اندازے نہیں لگاتا بلکہ انہیں پیدا کرتا ہے۔ اور بے بہار کے انسانوں کو دیوانہ بنا دیتا ہے۔ اور بہار میں بھی خزاں کا خوف طاری کر دیتا ہے۔ چناں چہ آنے والی بہاروں کے لیے جشن منانے کی تیاریاں بڑے زور و شور سے کی گئیں اور پورے تزک و احتشام سے نئے ہزاریہ کی آمد کا لطف اٹھایا گیا اور مستقبل کے چیلنجوں کا سامنا کرنے کے لیے منصوبے بنائے گئے۔

جوش و سرمستی کے ان پروگراموں کا اندازہ کرنا ہو تو ہر نئے سال کے آغاز میں منائے جانے والے جشنوں کی رنگ رلیوں کو دس، بیس گنا کر لیجیے۔ ممبئی کی ہائی کورٹ کو اس شور و ہنگامہ کا

Marfat.com

کچھ اندازہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس نے ۳۱ر دسمبر کی رات کو لاؤڈ اسپیکر کے ڈیسی بل (Decibel Level) پر سے پابندی ہٹالی۔ (ٹائمز آف انڈیا، ۱۶ر دسمبر ۹۹ء)۔ کتنی ناچ ورنگ کی محفلیں سجائی گئیں اور شراب کے کتنے جام لنڈھائے گئے اور دولت کا کیسا کچھ ننگا رقص ہوا، ان کا تصور کر لیجیے اور اس میں بے ہنگم شور کا اضافہ کر لیجیے۔

بے چارے غریبوں اور فاقہ مستوں کے لیے نئی صدی کا آغاز بھی ویسا ہی ہے جیسا ہر نئے سال کا آغاز ہوتا ہے۔ نہ گزری ہوئی رات ان کی تاریک زندگیوں کا ایک باب بند کر سکی، اور نہ ہی نیا سورج کسی مژدۂ جاں فزا کے ساتھ طلوع ہوا۔ ہر برس دولت والے ان کے افلاس کا منہ چڑاتے رہے ہیں، اور اس صدی کے آغاز میں بھی ایسا ہی ہوا۔ ٹکنولوجی کی حیرت انگیز ترقی نے جو وسائل بہم پہنچائے ہیں، وہ دولت کے اشارہ چشم کے منتظر رہتے ہیں۔ لہٰذا نئی صدی میں جو ترقی ہوگی وہ بھی ان کے افلاس کا مذاق اُڑائے گی۔ بس اتنا ہوگا کہ میڈیا میں کوئی مضمون چھپ جائے گا اور ٹی وی پر کوئی خاکہ پیش کر دیا جائے گا۔ پھر یہ سیلاب یوں ہی انسانوں کو پامال کرتا گزر جائے گا۔ یہ اس لیے کہ ہر جشنِ نو سال، دولت کا شاخسانہ ہے۔ سرمایہ دارانہ تہذیب کا مظہر ہے۔ بیسویں صدی کا نصب العین دولت تھی، اور آثار یہی بتا رہے ہیں کہ اکیسویں صدی کا نصب العین بھی یہی رہے گا۔ سرمایہ دارانہ تہذیب نے مغرب میں جس طرح کے انسان پیدا کیے ہیں، اسی طرح کے انسان اب پوری دنیا میں پیدا کر رہا ہے۔ اور کوئی بھی تہذیب اس کی مزاحم نہیں بن رہی ہے۔ فکر و نظر اور تہذیب و ثقافت کے اسی سرمایہ کو لے کر انسانیت، اکیسویں صدی میں داخل ہوئی بھی تو غریبوں، مظلوموں اور ستم رسیدوں کا اس ہنگامے سے کیا سروکار؟!

امت مسلمہ کو درپیش چیلنج اور مستقبل کا لائحہ عمل

اس ہنگامہ کے دوران موجودہ صدی میں پیش آنے والے چیلنجوں کا اندازہ بھی لگایا جا رہا ہے اور ضروری کاموں کی منصوبہ بندی بھی کی جا رہی ہے۔ ہندی امت مسلمہ کے دانشور اور مصلحین اپنے تجزیہ کے مطابق اس صدی کا ایجنڈا بھی پیش کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے ایجنڈے کا ایک سیلاب ہے جو ہر طرف سے امڈ رہا ہے۔ اور ہر لحظہ امڈتا چلا آ رہا ہے۔

Marfat.com

اس کے ساتھ ہی امت مسلمہ کی منصوبہ بندی کے متعلق یہ تاثر بھی دیا جارہا ہے کہ یہ نئی صدی کے رونما ہونے والے واقعات کی پیش بینی اور ان کے تجزیہ پر منحصر ہے۔ حالاں کہ عام حالات میں بھی منصوبہ بندی کا ٹائم اسکیل پچیس یا تیس برس سے زیادہ نہیں رکھا جاتا۔ اس لیے کہ تحقیق اور تجزیے کی بنیاد پر پیش بینی کی مدت اس سے زیادہ کی متحمل نہیں ہوتی۔ لیکن اس زمانے میں جب کہ تغیر حالات کی رفتار اتنی حیرت انگیز ہے کہ صبح اور شام میں غیر معمولی فرق واقع ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آئندہ سو سال کے اندر ہونے والے واقعات اور چیلنجوں کی پیش بینی کی جاسکے اور ان کا تجزیہ بھی کیا جاسکے۔ اس لیے جو لوگ آئندہ صدی کے ایجنڈے ترتیب دیتے ہیں وہ تغیر کی موجودہ رفتار کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ انہیں نہ تو یہ معلوم ہے کہ اس صدی میں مسلمانوں پر کیا گزرے گی اور نہ اسے معلوم کرنے کا کوئی سائنٹفک طریقہ کار انہوں نے اختیار کرنے کی زحمت کی ہے۔ مستقبل کے لیے منصوبہ بندی کرنے والے کم از کم ماضی کے حالات اور عوامل کا تاریخی تجزیہ کرتے ہیں۔ اور اس یقین اور تجربے کی بنیاد پر وہ مستقبل کو قیاس کرتے ہیں کہ انسانی تاریخ ایک تسلسل کا نام ہے۔ مگر ان حضرات نے اتنا بھی نہیں کیا ہے۔

لیکن اس سے زیادہ سنگین حقیقت یہ ہے کہ ان کا تجزیہ بالعموم ان ذرائع تحقیق اور ان محقق حضرات پر انحصار کرتا ہے جو مسلمانوں کی موجودہ صورت حال کے لیے خود بڑی حد تک ذمہ دار ہیں۔ میرا اشارہ مغربی محققین کے صحافتی اور تاریخی تجزیہ کی طرف ہے، یا پھر ان دیسی محققین کی طرف ہے جو مغربی طرز فکر اور طرز تحقیق کے خوشہ چین ہیں۔ اس تجزیہ سے ماخوذ وہ ایجنڈا ہے جو ہندی امت مسلمہ کو دیا جارہا ہے۔ اس ایجنڈے کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ ان اصطلاحات سے معمور ہے جو مغرب سے درآمد ہوئے ہیں اور اس میں نہ کوئی ایسی جوہری تبدیلی ہے جو امت مسلمہ کی موجودہ صورت حال سے مطابقت رکھتی ہے۔

مغرب کی تہی دامنی اور تجدد اصطلاحات کا فتنہ

دور جدید کا مغرب، فکری اور اخلاقی لحاظ سے تہی دامن ہے۔ اس کے پاس تعمیر سیرت و کردار کا کوئی خاکہ نہیں ہے۔ اس کا علم معاشیات اور سماجیات، اس کا فلسفہ اور اس کا ادب، اس وقت محض نئی اصطلاحات کے سہارے زندہ ہے۔ وہ مقومات اور معانی جو ہمیشہ سے مہذب

Marfat.com

انسانیت کی شناخت رہے ہیں، ان کو محض جدید اصطلاحات کا جامہ پہنا دیا جاتا ہے۔ انہیں اصطلاحات میں گلوبلائزیشن (Globlisation)، اِمپاوَرمنٹ (Empowerment) اختیار بخشی اور بے شمار ایسی اصطلاحات ہیں جو بے معنی ہیں یا محض ہمہ دم تجدد کی جویا انسانیت کی تشفی کا سامان بہم پہنچاتی ہیں۔

مغرب، تازگیِ فکر ونظر کے لحاظ سے تہی دام کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ مغرب کی تمام تر کاوش صرف سائنس اور ٹکنالوجی پر مرکوز ہے۔ مغرب نے ان اخلاقی اور سماجی بنیادوں سے صد ہا برس پہلے اپنا تعلق توڑ لیا تھا جو اس کے سماج کو استحکام بخشتی تھیں اور سیرت و کردار کی تعمیر کرتی تھیں۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کو اپنا واحد ہدف قرار دینے کے بعد، جب مغرب کو اس امر کا احساس ہوا کہ سماجی اور معاشی میدانوں میں افکار تازہ کا قحط ہے، تو اس نے تجدد اصطلاحات کا آسان راستہ اختیار کر لیا ہے۔

مغربی طاقتوں کا مشترکہ ایجنڈا

لیکن حقیقت اتنی سادہ نہیں ہے۔ مغربی تہذیب کے غلبہ کا ایک ایجنڈا اور ہے جو تمام مغربی طاقتوں کا مشترکہ ایجنڈا ہے۔ وہ ہے مغرب کی تجارتی اور معاشی برتری۔ اس کی تہذیب اور ثقافت کا غلبہ، نیا عالمی نظام (New World Order) ہیئت اور طریق کار کی تبدیلی کا نام نہیں ہے، بلکہ مغربی انداز اور تصور کا غلبہ اور ان کی اشاعت ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ متعدد حربے اختیار کرتا ہے، جس میں ایک حربہ نئی اور خوش نما اصطلاحات کا لبادہ اُڑھا کر ان خیالات اور تصورات کو قابلِ قبول بناتا ہے جن سے عام انسانیت ابا کرتی رہی ہے تاکہ اباحیت اور جنسی آزادی، جیسے تصورات بھی عام ہو جائیں۔ اقوام متحدہ کی بین الاقوامی آبادی فنڈ کی کانفرنسوں نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ گلوبلائزیشن بھی درحقیقت عالمی غلبے کا ایک خوشنما رنگ ہے تاکہ بقول جگر مرادابادی:

میں چمن میں چاہے جہاں رہوں مرا حق ہے فصلِ بہار پر

جنسی مساوات (Gender Equality) کے تحت سیکس کی آزادی اور خاندان کی تباہی و بربادی کے لیے واحد پیرنٹ فیملی (Single Parent Family) کی اصطلاح درحقیقت ان گھناؤنی اقدار کا خوش رنگ لباس ہے جو مغرب برآمد کرنا چاہتا ہے۔

Marfat.com

مسلمانانِ ہند کا ایجنڈا

ہندی امت مسلمہ کے لیے بعض گوشوں میں جو ایجنڈا پیش کیا جارہا ہے، ان میں بیشتر انہیں اصطلاحات کا سہارا لیا جارہا ہے جو جدید مغرب کی ملمع کاری کا حاصل ہیں۔ مثلاً سیاسی، معاشی، نفسیاتی خود اختیاری، جنسی مساوات وغیرہ۔ ثانیاً یہ کہ ان میں کسی تاریخی تناظر کے شعور کی شدید کمی ہے۔ بیسویں صدی نے انسانیت عظمیٰ کو کیا دیا؟ کون سے نظریات دیئے؟ کس طرح کی اداراتی ہیئت دی؟ ان میں سے کتنے انسان کے لیے بالعموم اور امت مسلمہ کے لیے بالخصوص نفع بخش رہے ہیں۔ ان کا جائزہ لینا چاہیے۔ لیکن اس جائزے کا معیار ملت کی دینی اور فکری اقدار کی روشنی میں طے کرنا لازم ہے۔ پھر ملت کو رد و اختیار کرنے کی تلقین کرنا چاہیے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ حالیہ صدی نے دنیا کو جو کچھ دیا ہے، وہ صرف خیر ہی نہیں ہے، بلکہ شر بھی ہے! کیا یہ سب یوں ہی مستقبل میں جاری رہیں گے؟ یا ان کے اندر خود ایسے عناصر موجود ہیں جو ان کی زندگی کو مختصر کر سکتے ہیں؟ بعض حضرات اس اعتراض کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ان کا ترتیب دیا ہوا ایجنڈا حالات و رفتار زمانہ کے گہرے جائزے پر منحصر ہے۔ یہ محض نعرہ بازی نہیں ہے بلکہ گہری بصیرت کا غماز ہے۔ مگر ان کاوشوں کا سرسری مطالعہ بھی یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کہ یہ جائزے مغرب سے ادھار مانگ لیے گئے ہیں۔ بس ان کو مسلمانانِ ہند پر منطبق کیا جارہا ہے۔

مقصد کا تعین زیادہ اہم ہے

دوسری طرف ہمارے بعض بزرگ دانشور، ہندی مسلمانوں کو نصیحت کرتے نظر آتے ہیں کہ تمہارا مرض جہالت ہے۔ اس لیے علم حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرو۔ تم محنت سے گریز کے عادی ہوگئے ہو۔ اس لیے محنت کرو اور اس کی عادت ڈالو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ علم کون سا حاصل کیا جائے، اور کس طرح حاصل کیا جائے؟ اسکول کالجز کھولنے کے لیے جتنی اہمیت کے حامل مادی وسائل ہیں، اتنے اہم بلکہ اس سے زیادہ اہم ان کے مقصد کا تعین ہے۔ محنت کی جانی چاہیے۔ لیکن محنت کی افادیت کا انحصار اس پر ہے کہ محنت کس لیے کی جائے؟ معاش کے لیے یا ایک محدود دینداری کے فروغ کے لیے! اس تبصرہ کا مقصد مذکورہ نصیحتوں کا استخفاف نہیں ہے بلکہ ایک بنیادی حقیقت کی یاد دہانی ہے کہ علم کی ترقی ہمیشہ ثقافتی اور تہذیبی پس منظر میں ہوتی ہے۔

ملت اسلامیہ نے ماضی میں جو غیر معمولی علمی استعداد پیدا کی، اس کے محرکات اور اس کی غایت قرآن کریم نے متعین کی تھی۔ علم کے سرچشمے وہیں سے پھوٹتے تھے۔ نشأۃ ثانیہ کے دور میں علم نے جو غیر معمولی ترقی کی ہے، وہ مادہ پرست اور سیکولر طرز فکر کے پس منظر میں ہوئی ہے۔ داعیہ بھی وہیں سے فراہم ہوا اور کردار بھی ویسے ہی تیار ہوئے۔ اس علم کا حصول غیر جانب دار (Natural) طرز عمل میں ہے۔

اکیسویں صدی اور نئے ہزاریے کے لیے جو نقشہ کار ہندی مسلمانوں کو دیا جارہا ہے، اس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ مسلمانان ہند بلکہ عالمی ملت اسلامیہ نئے حالات اور رجحانات کے بالمقابل صرف تماش بین ہے۔ اس کو ان حالات کے سامنے سپر ڈال دینا چاہیے۔ اس کو تغیر حالات سے خود کو ہم آہنگ (Adjust) کرنا چاہیے۔ نئے ابھرنے والے رجحانات اور عملی حالات اتنے طاقتور سیلاب ہیں کہ نہ ان کا رخ بدلا جاسکتا ہے اور نہ ان کے شور و آہنگ میں کمی کی جاسکتی ہے۔ اس لیے ہم کو انٹرنیٹ (Internert)، سائبر اسپیس (Cyber Space) کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ حریت انسانی کے ضمن میں ''نظریات کی موت'' کی خبر دی جاتی ہے۔ معاشی اور مالیاتی نظام کی تیز رفتاری اور اس کے استیلاء سے واقف کرایا جاتا ہے۔ خواتین کی آزادی کی خبر دی جاتی ہے۔ ملکوں اور نظاموں کے درمیان سرحدوں کے مٹنے کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ لیزر (Laser) کے ذریعہ لڑی جانے والی جنگ کی خبر دی جاتی ہے۔ سرمایہ داری کو انسانی تاریخ کی آخری منزل بتا کر اس کو اختیار کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ تہذیبی تصادم کو انسانی تاریخ کا مستقبل قرار دیا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ملت اسلامیہ کی بے بسی اور کمزوری پر خون کے آنسو رونے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ یہ سب اس طرح کیا جارہا ہے گویا ہم دنیا میں ابھرنے والے رجحانات اور افکار کے سامنے بے بس ہیں۔ ہم صرف ایک تختی ہیں جس پر تحریر لکھی جاسکتی ہے لیکن ہم اسے بدل نہیں سکتے۔ حالات کا نہ ہم رخ موڑ سکتے ہیں اور نہ متصادم رجحانات کا ہاتھ توڑ سکتے ہیں۔ ملت اسلامیہ محض مادی لحاظ سے بے بس نہیں ہے بلکہ افکار اور اخلاق کی دنیا میں بھی تہی دامن ہے۔ حالاں کہ بندۂ مومن کے متعلق علامہ اقبال نے یہ کہا تھا:

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا، کار ساز

Marfat.com

اس ہاتھ کو آج مفلوج فرض کیا جاتا ہے۔ اور ملت سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم حالات سے بے خبر نہ رہو ورنہ برباد ہو جاؤ گے لیکن جس سیاق میں اس باخبری کی تلقین کی جاتی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ان حالات سے ہم آہنگ ہو جاؤ۔

چلو تم ادھر کو، ہوا ہو جدھر کی

تاریخی تناظر میں اگر اس ایجنڈے کا جائزہ لیا جائے تو یقیناً اس سے بہت سی بصیرتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ بیسویں صدی نے انسانیت کو جو ممتم بالشان تحفے عطا کیے ہیں، ان میں ایک تحفہ سیاسی جمہوریت کا فروغ اور استحکام ہے، سیاسی استعمار کا زوال ہے، ڈکٹیٹر شپ اور بادشاہت کا ایک بڑے خطہ زمین سے خاتمہ ہے۔ اس جمہوریت کو ہمارے مسائل کا علاج بنا کر پیش کیا گیا۔ عالمی ادارے یو۔این۔او (UNO) وغیرہ قائم کیے گئے۔ انسانی حقوق کا چارٹر (منشور) بنایا گیا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جمہوریت، دنیا کی بہت سی مصیبتوں کی ذمہ دار بھی رہی ہے۔ عالمی جنگوں میں ایٹم بم گرانے والی حکومتیں جمہوری حکومتیں تھیں۔ عالمی جنگوں میں وحشت و بربریت کا کھیل جن ملکوں نے کھیلا، وہ سب جمہوری حکومتیں تھیں۔ بوسنیا اور کوسووا میں ظلم کرنے والے صدر ملوسیوک (Milosovic) جمہوری صدر تھے۔ اسرائیلی حکومت جو فلسطینیوں کی لاش پر قائم ہے اور ان کے خون سے سیراب ہوئی، وہ بھی جمہوری حکومت ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں حقیقی اقتدار جمہور کو نہیں بلکہ امیروں، کارپوریٹس اور مفاد پرست گروہوں کو حاصل ہے۔ ہندستان میں بابری مسجد ایک جمہوری حکومت کے دور میں گرائی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ جمہوریت اگر اخلاق اور خدا پرستی سے عاری ہو تو نعمت کے بجائے زحمت بن جاتی ہے۔

بیسویں صدی کا دوسرا عظیم تحفہ اس کے وکیلوں کی نظر میں یہ ہے کہ اس نے انسان کی توجہ مابعد الطبیعات سے ہٹا کر مادی زندگی پر مرکوز کر دیا ہے۔ انسان کے اندر یہ اعتماد پیدا کیا ہے کہ وہ کسی بالائی قوت کا محتاج نہیں ہے بلکہ اس کی زندگی کی راحت و آرام، اس کی اپنی جدوجہد پر منحصر ہے۔ مرض کو قابو میں وہ خود کر سکتا ہے۔ علم کی بے کراں وسعتوں کو وہ سکیڑ سکتا ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی نے اس کے اعتماد کو ولولہ بخشا ہے۔ دنیوی نعمتوں کی جس مقدار اور جتنی اقسام سے وہ آج بہرہ ور ہے، اس کا قیاس بھی چند برسوں قبل ممکن نہ تھا۔ دولت جس تیزی سے بڑھی ہے، اس کی رفتار تخیل سے پرے تھی۔ اس غیر معمولی رفتار کا نتیجہ وسائل قدرت کی لوٹ

(Plunder) کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔ دنیا کا نظامِ توازن (Ecological Balance) درہم برہم ہو رہا ہے، ماحول آلودہ ہو رہا ہے۔ درخت بے تحاشہ کاٹے جا رہے ہیں، پانی کے وسائل اس بری طرح استعمال کیے جا رہے ہیں کہ دنیا میں پینے کے پانی کی قلت کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ غذاؤں کی پیداوار بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ اسراف اس تہذیب کا شیوہ بن گیا ہے۔

جمہوریت کی طرح یہ تحفہ بھی خیر محض نہیں ہے۔ دولت کی فراوانی نے غریبوں اور امیروں کے درمیان کی خلیج کو اور گہرا کر دیا ہے۔ ٹکنالوجی کی حیران کرنے والی دریافتیں طب میں بھی ایسی ہیں جو امیروں کی خدمت کرتی ہیں اور غریبوں کو کنارے لگاتی ہیں۔ اس ترقی کے جلو میں سماج کی تنظیم اور ترتیب اور قوانین میں باریک بینی ایسی پیدا کی گئی ہے جس نے کم حیثیت اور غریب انسانوں کے لیے عدل وانصاف کو بھی نہایت پیچیدہ بنا دیا ہے۔ سادگی اور آسانی جو سماج میں غریبوں کو ان کا حق دلاتے تھے، اب پیچیدگی اور قانونی باریکیوں کے حوالے ہو گئے ہیں۔ الغرض، صحت ہو یا نظامِ عدل، تعلیمی نظام ہو یا آمد ورفت کے وسائل۔ ان تمام گوشوں میں غریبوں کو حاشیہ پر لگانے (Marginalisation) کا رجحان غالب رہا ہے اور آئندہ صدی میں بھی غالب رہے گا۔ امتِ اسلامیہ اس جدوجہد کا رخ اور اس کا کردار بدل سکتی ہے۔ اس کے دامن میں وہ تعلیمات موجود ہیں جو غیر معمولی اثر ڈال سکتی ہیں۔

ٹکنالوجی بالخصوص کمپیوٹر کی ترقی نے معلومات کا حصول آسان بنا دیا ہے۔ جو علم و اطلاع ہزاروں پاپڑ بیلنے اور سیکڑوں میل کا سفر کرنے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتے تھے، وہ اب کمپیوٹر اسکرین پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ علم کا سیلاب ہے جو آپ کے دروازے پر موجود ہے، مگر ٹھہریے، یہ علم نہیں بلکہ خبر ہے جس کا انفجار (Explosion) آپ دیکھ رہے ہیں۔ خبر اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔ یہ فساد پرور بھی ہو سکتی ہے اور نفع بخش بھی۔ چناں چہ انٹرنیٹ میں ایسی لغویات اور خرافات کی بھرمار ہے جو غلط اور مہلک رجحانات کی پرورش کرتی ہیں۔ علم، تمیز حق و ناحق کا نام ہے۔ یہ شر و خیر کے درمیان فرق پیدا کرتا ہے۔ یہ بصیرت کی روشنی عطا کرتا ہے۔ مگر خبر کے ازدہام نے بصیرت نہیں عطا کی ہے بلکہ خیر وشر کے درمیان کی سرحدیں متادی ہیں۔ خبر ونظر جب صرف ٹکنالوجی کے طفیل حاصل ہوتے ہیں تو یہ تمیز کھو دیتے ہیں کہ انسانی زندگی کا کون سا رخ

Marfat.com

شیطنت کا عکاس ہے اور کون سا حقیقی انسانیت کا! انسانیت پہلے بھی حقیقی اور نفع بخش علم کی محتاج تھی مگر بیسویں صدی کے اواخر میں تو یہ ضرورت شدید تر ہوگئی ہے۔ معیار خیر و شر کا متعین کرنا انسان کے بس میں نہ کبھی رہا ہے اور نہ اب ہے۔ اکیسویں صدی میں داخل ہونے والے انسان انہیں رجحانات کے ساتھ وارد ہوں گے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ علم کو اس کا مقصد اور تمیز حق و باطل، قرآن کریم سے مل سکتا ہے۔ اگر ملت اسلامیہ چاہے تو اس بے محابا دوڑ کو اصول اور اخلاقیات کے تابع کر سکتی ہے۔

ماضی میں جب مسلمانوں نے یونان سے علم و سائنس حاصل کیا تھا تو وہ سب بے دین عقلیت (Secular Rationality) کے زیر اثر تھے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ ان علوم کو انہوں نے رنگ توحید میں رنگ دیا۔ ان کو غیر معمولی ترقی بھی بخشی اور عام انسانیت کے لیے نفع بخش بنایا۔ ان کو محض خبر و نظر کے وسیلے سے بدل کر معرفت رب کے وسیلہ میں تبدیل کر دیا۔

گلوبلائزیشن اور اس کے مضمرات

بیسویں صدی جاتے جاتے ایک اور بھی تحفہ دے گئی ہے جو بظاہر نہایت خوش نما ہے لیکن بہ باطن انتہائی خبیث ہے۔ وہ تحفہ معیشت کی عالمگیریت کا ہے جس کا مفہوم آزاد تجارت ہے، قوانین و ضوابط کی کمی ہے، معاشی سرحدوں کو کھول کر بین الاقوامی سطح پر سرمایہ اور مشین کی آمد و رفت کو بے روک ٹوک فروغ دینا ہے۔ کمپٹیشن کو ہر شعبہ زندگی میں ممکن بنانا ہے، مگر یہ پوری حکمت عملی امیر ممالک کے لیے انتہائی مفید ہے لیکن غریبوں کے لیے مفید کم ہے اور نقصان دہ زیادہ! کمپٹیشن اگر امیر اور فاقہ مست کے درمیان ہو تو وہ کمپٹیشن نہیں کہلاتا۔ اس کا ایک ثبوت وہ تمام معاہدے ہیں جو گزشتہ دو دہائیوں کے درمیان ہوئے ہیں جن کا آخری کرشمہ ''بین الاقوامی تجارتی تنظیم'' WTO کی شکل میں دیکھنے میں آیا ہے۔ اگرچہ ورلڈ ڈیولپمنٹ رپورٹ ۱۹۹۹ء کے مطابق گلوبلائزشن کا مخالف رجحان لوکل تمناؤں اور آرزوؤں کی شکل میں بھی جنم لے رہا ہے۔

قطع نظر اور دوسرے پہلوؤں کے، عالمی معیشت کا ایک اہم رخ وہ مالیاتی نظام ہے جس کے سامنے تیسری دنیا کے تمام ممالک بے بس ہو گئے ہیں۔ اس مالیاتی نظام کی شہ رگ سود ہے۔ اسی کے ذریعہ پوری دنیا پر معاشی استعمار اپنے پنجے گاڑ رہا ہے۔ یہ امت مسلمہ کے لیے ایک

Marfat.com

ایسا چیلنج ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد اس کے دین نے اسے عطا کی ہے، یہ مالیاتی نظام اپنی تمام خوبیوں (بلکہ خباثتوں) کے ساتھ اکیسویں صدی میں وارد ہوگا، جیسا کہ بنکوں، منجمنٹ کے اداروں، مالیاتی سنگھ پریوار (WB & IMF) کے بیانات، اقدام اور مجوزہ پالیسیوں سے بھی ظاہر ہے، اور تیسری دنیا کے ممالک کی بے بسی سے بھی۔

اس مضمون میں یہ چند اشارے صرف اس لیے کیے گئے کہ ہمارا یہ شعور بیدار ہو کہ امت مسلمہ بالقوۃ یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو آنے والے حالات کا رخ، ان کی رفتار اور کردار کو بدل سکتی ہے۔ وہ صرف خاموش تماشائی نہیں ہے۔ اس لیے اس کا ایجنڈا اگرچہ حالات سے بے نیازی نہیں ہوتا لیکن وہ حالات کے سامنے سپر بھی نہیں ڈالتا۔ جب کبھی ملت کے رہنماؤں نے امت مسلمہ کے خصوصی کردار کو نظر انداز کیا ہے، انہیں حاصل کچھ نہیں ہوا، اور آج بھی اس کا منظر ہمارے سامنے ہے۔ مسلمان ملکوں میں سے ایک ایک کو لیجیے: سب سے پہلی خلافت عثمانیہ کے ختم ہو جانے کے بعد مغرب کی سازشوں سے مصطفیٰ کمال پاشا ترکی پر مسلط ہو گئے۔ انہوں نے ترکی کے پیمانے بدل ڈالے۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رنگ کو چھوڑ کر یورپ کا رنگ اختیار کر لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکوں کی جواں مردی، کاسہ لیسی میں بدل گئی۔ خلافت کی قبا چاک کرنے والے آج تک یورپ کی خلعت سے محروم رہے۔ چناں چہ ابھی تک ان کو یورپین اقتصادی برادری کی مکمل رکنیت حاصل نہیں ہو سکی۔ اب مصطفیٰ کمال جیسے نادان رہنما کا ایجنڈا ہے جس پر اس کی ذریات عمل پیرا ہے۔ لیکن نہ یورپ کی برادری میں اس کو اپنی سابقہ ہیبت حاصل ہو سکی اور نہ اقتصادی ترقی کے زینے طے ہو سکے۔ نہ اسلام سے رشتہ منقطع کرنے کے بعد باطل سے رشتہ مستحکم ہو سکا۔ مصر کی قیادت نے بھی مغرب کا ایجنڈا اختیار کیا اور آج وہ کس مقام پر ہے؟ امریکہ کی زیر نگرانی، بین الاقوامی اداروں کی نظر کرم کا منتظر، اور اسرائیل جیسے چھوٹے ملک سے خوف زدہ! نہ اقتصادی ترقی ملی، نہ سیاسی استحکام! یہ مغرب کی مسلط کردہ جمال عبدالناصر کی قیادت تھی۔ موصوف نے سوشلزم کا ایجنڈا تیار کیا لیکن ان کے وارثین نے رفتہ رفتہ مغربی سرمایہ داری اختیار کر لیا۔ شام پر حریفوں کی سازشوں سے حافظ الاسد ایسے مسلط ہوئے جن کا وظیفہ حیات مصر کی طرح روسی سوشلزم تھا۔ اور آج سیاسی اور معاشی اعتبار سے ان کا کیا مقام ہے!

اسرائیل کی گھڑکیوں سے خوف زدہ لیکن اپنے ملک کے اسلام پسند عوام کے مقابلے میں شیر! تیونس کے بورقیبہ اور اس کے بعد بن علی، مراکش کے حسن ثانی، اردن کے شاہ حسن، کتنے نام لیجیے۔ یہ سب کے سب مغرب کی فکر کے پروردہ ہیں۔ ان کے نزدیک دور حاضر میں مسلمانوں کا ایجنڈا وہ ہونا چاہیے جو مغرب سے مستعار ہو۔ لیکن پچھلے پچاس برسوں میں وہ آج کس مقام پر پہنچے ہیں؟ ان کو نہ تو اقتصادی ترقی کے خواب کی تعبیر ملی، نہ سیاسی اور عسکری استحکام ملا۔ بین الاقوامی برادری میں ان کو جو مقام آج حاصل ہے، وہ ماضی سے کہیں بدتر ہے۔ ان کی آواز کسی ظلم وستم، کسی ناانصافی کے خلاف اول تو نکلتی نہیں اور اگر نکلتی بھی ہے تو اس کا وقار کیا؟ اس کا دبدبہ کیا؟ چیچنیا کا حال دیکھیے، بوسنیا کے مظلومین، افغانستان کے مجبور مجاہدین، برما کے مسلمان، سوڈان کی حکومت، ان سب کے متعلق ان کی آواز کون سنتا ہے۔ کون پروا کرتا ہے؟ اس کے بالمقابل اگر چند عیسائی پادری ہندستان میں شہید کردیے جائیں تو دنیا کا عظیم سپاہی ایسی آنکھوں سے گھورتا ہے کہ حکومت ہند کو پسینہ چھوٹ جائے۔

جب امت مسلمہ یا اس کی قیادت اپنے خصوصی کردار سے بے نیاز ہو کر اپنا منصوبہ بناتی ہے تو اس کی بصیرت بھی سلب ہو جاتی ہے۔ اس کے کردار کا استحکام بھی ختم ہو جاتا ہے، اس کی تمیز خیر وشر ختم ہو جاتی ہے۔ چناں چہ ان ملکوں کی حکومتوں نے اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے اپنے بیش بہا انسانی وسائل ضائع کیے۔ کتنوں کو ذبح کیا، کتنوں کی زبان بند کی۔ اپنے ہی بہترین سائنس داں، قانونی ماہرین، پروفیسر، صحافی، علماء اور فقہا کو یا تو موت کے گھاٹ اتار دیا یا انہیں ملک بدر ہونے پر مجبور کر دیا۔ شام سے الجانی، علی الطنطاوی، اس کی اہم مثال ہیں۔ مصر کے سید قطب اور حسن البنا دوسری مثالیں ہیں۔ اور کتنی ہی ایسی مثالیں ہیں جن کا ریکارڈ حاصل کرنا بھی مشکل ہے۔ ہوش مند ملتیں اپنے انسانی سرمایہ کی قدر کرتی ہیں؛ اور بے وقوف کاسہ لیس ان کو اپنے آقا کی نذر کر دیتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا تھا:

رنگ گل کا ہے سلیقہ، نہ بہاروں کا شعور
آہ کن ہاتھوں میں تقدیر حنا ٹھہری ہے

ہمارے ملک عزیز میں بھی اسلامی تعلیمات سے بے نیاز ایجنڈے بنائے گئے۔ کسی نے بیلداری

Marfat.com

کو مسلمانوں کے امراض کا علاج بتایا، کسی نے سودیشی تحریک اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ کسی نے ملک کی تقسیم کو شافی قرار دیا۔ مگر حاصل کیا نکلا؟

ملی ایجنڈے کی اہم خصوصیات

اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ ہمارے ایجنڈے میں ہمارے اقدار اور ہمارے کردار کا رنگ جھلکنا چاہیے۔ ہمارے ایجنڈے کو صبغۃ اللہ میں رنگنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام کے متعینہ اہداف میں اور مسلمانوں کی معاشی، سیاسی اور تعلیمی ترقی کے اہداف میں تضاد ہے۔ لیکن ان موخر الذکر اہداف کو مقرر کرنے اور ان کے حصول کی تدابیر میں اولین اہمیت ان قدروں کو حاصل ہونی چاہیے جن کا اسلام پیغام بر ہے۔ وہ معاشی ترقی جو اسلام کے اصولوں کو پامال کر کے کی جا سکے، نصرت خداوندی سے محروم کر دیتی ہے۔ وہ سیاسی استحکام جو دوسروں کے در پر کاسہ گدائی لے کر جانے سے حاصل ہوتا ہے وہ ہمارے باطن کو اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے۔ وہ تعلیمی ترقی جس کے نتیجہ میں دوسروں کی طرح ہمارے یہاں بھی بے مقصد اور اخلاق و کردار سے عاری پروفیشنل تیار ہوں، وہ ہمارے کردار و سیرت کو ایسا بگاڑیں گے کہ ہم قعرِ مذلت میں گرتے ہی چلے جائیں گے۔

اگر ہمارے مخلصین کی یہ رائے درست ہوتی کہ ملت اسلامیہ کی معاشی ابتری اصل مسئلہ ہے، تو وہ مسلمان ممالک جو دولت سے سرفراز کیے گئے ہیں، ان کا وقار اور ان کی ہیبت کا عالم کچھ اور ہوتا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آج دنیا میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس پٹرول کی دولت ہے، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، وہ عسکری لحاظ سے چیلنج ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب، ملت اسلامیہ کے پیغام سے خائف ہے۔ چناں چہ وہ یہی چاہتا ہے کہ ملت اس حقیقت تک نہ پہنچ سکے اور پہنچے بھی تو اس پر عمل کی مہلت نہ پائے۔ چناں چہ خود ملت کے حکمرانوں کے ہاتھوں ان کو کچل دیا جائے۔ ان کو دہشت گرد قرار دیا جائے، ان کی ناکہ بندی کی جائے۔

اسلامی تعلیمات، ملت اسلامیہ کی قوت کا سرچشمہ ہیں۔ اسلامی کردار میں ایسی کشش ہے جو دشمنوں کے قلب کو متاثر کرتا ہے۔ جس نے ان کو خیر باد کہا، وہ چاہے جتنی کوشش کرلے، وہ مقام واپس نہیں لا سکتا جس پہ یہ ملت فائز تھی۔

ملت اسلامیہ کا ایجنڈا واحد نکاتی ایجنڈا ہے۔ اس ایجنڈے کی تعمیل اور تنفیذ کے لیے اس کی بعثت ہوئی ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ: ۱۴۳)

اور اسی طرح تو ہم نے مسلمانو تم کو ایک امت وسط بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

اس دنیا میں حق کی شہادت دینا اس کا مقصد وجود ہے۔ اس لیے تمام انبیاء پیدا کیے گئے تھے۔ اور اب اس فریضہ کی ادائیگی اس ملت کا فریضہ ہے۔ رسول اللہ نے تاکید فرمائی ہے:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْلَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْهُ، ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ (رواہ الترمذی عن حذیفہؓ وقال: حدیث حسن)

اس فریضہ کی ادائیگی سے اس کی عزت اور وقار وابستہ ہے۔ اس کی عالمی ہیبت ہمیشہ اس بے لاگ پیغام حق سے وابستہ تھی اور آئندہ بھی اس سے وابستہ رہے گی:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ. (المنافقون: ۸)

”عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے۔“

وَلَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ (ال عمران: ۱۳۹)

”دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔“

اس پیغام حق کے پہلے مخاطب خود مسلمان ہیں۔ بنی اسرائیل کا جرم یہی تھا کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرتے تھے اور خود کو بھول جاتے تھے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ فرمائی:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝ (البقرہ: ۴۴)

”تم دوسروں کو نیکی کا راستہ دکھاتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالاں کہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ کیا تم عقل سے بالکل ہی کام نہیں لیتے؟“

Marfat.com

کلمہ حق میں وہ کشش ہے اور دلوں کو جوڑنے کی بے پناہ صلاحیت ہے کہ اگر ملت اس کلمہ کی حق شناس ہوتی تو باہم دست و گریباں نہ ہوتی۔ عالم اسلام کی حالت تو ایسی جماعت کی حالت ہے جو باہم ایک دوسرے سے دست و گریباں رہتے ہیں۔ عراق اور ایران آٹھ سال خون بہاتے رہے۔ اب تمام عرب دنیا عراق کی دشمن نظر آتی ہے۔ خلیجی ریاستیں بھی ایک دوسرے سے باہم اگر میدان جنگ میں نہ سہی تو زبانی جنگ و جدال کرتی رہتی ہیں۔ یہی حال ہندستان میں مسلمانوں کا ہے۔ جبہ و دستار والے ہوں یا مسلمان سیاست داں۔ سب حریفوں سے رفاقت و ولایت کا عہد و پیمان کر سکتے ہیں لیکن نہ شیعہ سنی مل سکتے ہیں، نہ دیوبندی اور بریلوی، نہ سلفی اور اہل سنت۔ اور بے چاری جماعت اسلامی کو تو انہوں نے اچھوت قرار دے رکھا ہے!

بیسویں صدی کو دو چیزوں کی ضرورت تھی۔ عدل و انصاف کی اور سیرت و کردار کی۔ اکیسویں صدی بھی ان کی محتاج رہے گی۔ بلکہ سابقہ صدی سے کہیں زیادہ، اس لیے اس کے پاس وسائل زیادہ ہوں گے۔ ظالم کے پاس جتنے زیادہ وسائل ہوتے ہیں، اتنے ہی زیادہ اسے ظلم کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔

ملت اسلامیہ ہی وہ واحد جمعیت ہے جو عدل و انصاف پر قائم کی گئی تھی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ.

(النسآء: ۱۳۵)

"اے ایمان لانے والو انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو۔"

اور یہی وہ صدا ہے جو کردار کو ایسی مستحکم بنیاد عطا کرتی ہے اور اسے رفعت انسانی کے ایسی خوشگوار وادیوں میں پہنچا دیتی ہے جو کسی کو میسر نہیں ہے۔ یہ صدائے توحید ہے اور غایت تعمیر، دنیا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۙ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ

(ابرٰهیم: ۲۴، ۲۵)

"کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال

ایسی ہے کہ جیسے ایک اچھی ذات کا درخت ہو جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہو اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہوں، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔"

اکیسویں صدی محض خیر کا پیغام نہیں دے رہی ہے، بلکہ ظلم و خباثت کی ہولناک خبر بھی دے رہی ہے جس کا شکار پوری انسانیت ہوگی۔ لیکن مسلمان کچھ زیادہ ہی اس کی زد میں رہیں گے۔ اس لیے کہ ٹکنالوجی اور دولت سے ہمکنار اور مادیت و اباحیت میں غرق مغرب کو آپ کی مادی طاقتوں سے نہیں، بلکہ آپ کے پیغام، آپ کی اقدار، آپ کے اصول اور نظریات سے خوف ہے۔ اس لیے وہ اس امر کی پوری کوشش کریں گے کہ آپ اس کی معرفت نہ حاصل کرسکیں؛ اور اگر معرفت حاصل کر بھی لیں تو آپ کو فکر معاش دے کر آہ صبح گاہی میں غرق رکھا جائے۔ ابلیس نے ہمیشہ یہی پیغام اپنی ذریات کو دیا ہے کہ اس امت کو اس انقلابی فکر و نظر تک نہ پہنچنے دیا جائے جس کا اسلام داعی ہے۔

اس دور میں آپ کا سب سے اہم وظیفہ یہی ہونا چاہیے کہ آپ انسانیت کو اس نعمت سے واقف کرائیں کہ ان کی گم گشتہ جنت کی بازیافت اسی سے وابستہ ہے۔

یہی وہ وظیفہ ہے جو مومن بندے کو مسلسل جہاد کرنے پر آمادہ کرتا ہے، ہمہ رخ مجاہد بناتا ہے۔ مسلمان کبھی کاہل اور سست گام نہیں ہوتا بلکہ ہمہ دم رواں دواں سیلاب ہے اس کا کردار! مسلمانوں نے محنت کرنے کا شیوہ چھوڑا جب وہ اس وظیفہ کو بھول گئے۔ جب انھوں نے اس دین کو صرف آخرت کا ایجنڈا تصور کرلیا اور دنیا کو بھول گئے۔ حالاں کہ ان کے رب نے انھیں جو دعا سکھائی تھی، وہ یہ تھی:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً. (البقرہ: ۲۰۱)

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر۔"

اگر یہ ملت، علم سے اسی طرح وابستہ رہتی جس طرح اس کا دین متقاضی ہے، تو آج ہم ملت اسلامیہ کی وسعت جہالت پر نوحہ خواں نہ ہوتے۔ اس واحد نکاتی ایجنڈے کی اساس علم ہے۔ اس کی عافیت حقیقی، علم کا فروغ ہے۔ اس لیے کہ اس کے نزدیک خدا ترس بندے وہی ہوتے ہیں جو علم و خبر سے بہرہ ور ہوں۔

اکیسویں صدی درحقیقت امّت مسلمہ کے لیے مہتم بالشان چیلنج ہے۔ مگر حالات کا تغیر اس کے عزائم میں کمزوری نہیں پیدا کرسکتا اگر وہ یاد رکھے کہ "تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ" کہنے والا بھی اور نافذ کرنے والا بھی دونوں مالک و پروردگارِ عالم ہے۔ اس چیلنج سے نبرد آزما ہونے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے اقدار اور اپنے تہذیب کو بھول کر وہ راستہ اختیار کریں جو مغرب کے دانشور یا ان کے پروردہ اصحاب نظر ہمیں سکھاتے ہیں۔ بلکہ ہمیں اس کردار کو اور سختی سے، اور ان اقدار کو مومنانہ بصیرت سے اختیار کرنا چاہیے۔ اس طرح ہم اکیسویں صدی کے متوقع خیر سے خود بھی بہرہ ور ہو سکتے ہیں اور دوسروں کو متمتع کر سکتے ہیں۔ اور اس کے ہولناک شر سے خود بھی محفوظ رہ سکتے ہیں اور دوسروں کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ باطل جتنا بھی پرشکوہ ہو، وہ حق کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ اس لیے کہ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا اس کی فطرت میں فرار ہے۔ وہ جھاگ ہے۔ اصل سیلاب نہیں!

Marfat.com

کیا دور حاضر کو اسلام کا انتظار ہے؟

ایک کرم فرما بزرگ نے ہماری معروضات پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ ان سے معلوم ہوتا ہے گویا پورا ملک بلکہ پوری دنیا اسلام کی منتظر ہے، عوام اس کی تلاش میں سرگرداں اور خواص اس کی برکتوں سے مستفید ہونے کے لیے بے چین اور مضطرب ہیں۔ بس، دیر اس بات کی ہے کہ اسلام ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ ان کی رائے میں یقین اور اعتماد کی یہ کیفیت حالات زمانہ کے کسی سائنٹفک تجزیے کی پیداوار نہیں ہے بلکہ بے خبری اور اندھی خوش فہمی کا نتیجہ ہے۔

بے خبر تو الحمدللہ ہم بھی نہیں ہیں۔ لیکن ہماری خبر اور ہمارے سود و زیاں کا معیار عصر حاضر سے مختلف بھی ہے اور بعض پہلوؤں سے متضاد بھی۔ ہمارے نزدیک کامیابی کا حقیقی معیار یہ نہیں ہے کہ ساری دنیا ہماری دعوت پر لبیک کہے اور ان اقدار اور اصولوں کو اختیار کرلے جس کا نام اسلام ہے۔ اس لیے کہ انقلابِ احوال، مالک و پروردگار کے ہاتھ میں ہے، ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝

(الدھر: ۲،۳)

''ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اسے راستہ دکھادیا، خواہ وہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔''

ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ حکمت الٰہی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ سارے انسان ان حقائق پر ایمان لے آئیں۔ اختلاف عقیدہ اور مسلک ہمیشہ ہی باقی رہیں گے۔ ان کو مٹا دینا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ کا منظرنامہ اس دنیا کا شعار ہے:

Marfat.com

وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ. (المآئدہ:۴۸)

''اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا۔ لیکن اس نے یہ اسی لیے کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا اس میں تمہاری آزمائش کرے۔''

وَلَوْشَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ٥ (یونس:۹۹)

''اگر تیرے رب کی مشیت ہوتی (کہ زمین میں سب ہی مومن اور فرمانبردار ہوں) تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں؟''

ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ہم اس پیغامِ حق کو سب تک پہنچائیں۔ شعور کی ابتدا سے لے کر متاعِ حیات کی آخری سرحدوں تک اسی جدوجہد میں مصروف رہیں۔ قرآن حکیم کے ارشادات کے بہ موجب طرح طرح سے اس کلمہ کی تشریح اور توضیح کریں تصریف الآیات کا وہ سبق یاد رکھیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھایا ہے۔ حکمت اور موعظہ حسنہ ہمارے نشانِ راہ ہوں۔ اور رسول اکرم ﷺ کا اسوہ حرزِ جان بن جائے۔ آپؐ نے کس طرح اور کیسے دلنشین انداز میں دعوتِ حق پیش کی! مخاطب کی نفسیات اور اس کی شخصیت کا کتنا اور کب کب لحاظ کیا! اور اپنے شب و روز اس نصب العین کے لیے کس طرح وقف کیے کہ خود مالک و پروردگار کو مداخلت کرنا پڑی کہ اس طرح تو آپ اپنی جان ہلکان کر دیں گے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا٥ (الکھف:٦)

''(اے نبی!) شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو، اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔''

ہمارا کام ہر دل پر دستک دینا ہے۔ راہِ حق کے ہر کانٹے کو صاف کر کے اسے سیدھا اور ہموار بنانا ہے۔ حضرت نوحؑ کی پیروی میں شب و روز اپنی قوم کو رب کی بندگی کی طرف بلانا ہے۔ خاموشی سے بھی، اور ہانکے پکارے بھی۔ اس جدوجہد میں مر کھپ جانا ہی ہماری کامیابی ہے۔ اس راستے میں ہر زخم، خود اپنا مداوا ہے۔ ہزیمت بھی موجبِ اجر ہے اور فتح بھی۔ شرط صرف اخلاص ہے۔

Marfat.com

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ o (التوبہ: ۱۲۰)

''اس لیے کہ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں بھوک پیاس اور جسمانی مشقت کی کوئی تکلیف وہ جھیلیں اور منکرین حق کو جو راہ ناگوار ہے، اس پر وہ کوئی قدم اٹھائیں اور کسی دشمن سے (عداوت حق کا) کوئی انتقام وہ لیں اور اس کے بدلے ان کے حق میں عمل صالح نہ لکھا جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے یہاں محسنوں کا حق خدمت مارا نہیں جاتا۔''

کیسا انوکھا ہے فلاح وخسران کا یہ معیار! اس کی نظر میں مخلصانہ جدوجہد خود ہی کامیابی ہے۔ دلوں کو بدلنا ان کے خالق کا کام ہے۔ ظروف واحوال میں تغیر کا ذمہ اس نے خود لے رکھا ہے۔ ہم راستے ڈھونڈتے رہیں گے، راستہ دکھانا اس کا کام ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ط (العنکبوت: ۶۹)

لوگ ہنسی اڑاتے ہیں تو اڑائیں، ہنسی تو خدا سے غافل انسانوں نے ہمیشہ اڑائی ہے۔ راستے میں گہری وادیاں اور اونچے پہاڑ حائل ہیں۔ ان کا جائزہ لینا اور مناسب تدبیر اختیار کرنا ہماری ذمہ داری ہے لیکن ان سے خوف کھانا داعی حق کا شیوہ نہیں ہے۔

ہماری خبر کے بہ موجب اس ملت کی عزت اور ذلت، اس دین سے وابستہ ہے، اس کی شہادت میں مضمر ہے۔ اس کا نقصان اور اس کی ذلت ورسوائی مشیت ایزدی کے تابع ہے۔ اگر ہم اس کے راستے پر چلتے رہے تو ہم کو نہ کوئی طاقت ہلکا کرسکتی اور نہ ہی رسوا۔ لیکن اگر ہم کاسۂ گدائی لے کر چڑھتے سورج کے در پر حاضر ہوتے رہے تو ہم اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے سزاوار نہیں ہوسکتے:

وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ o (المنٰفقون: ۸)

''(حالاں کہ) عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے مگر یہ منافق جانتے نہیں۔''

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن اس دنیا کی کامیابی اور سرخ روئی کے پیمانے ...

Marfat.com

اپنی زندگی اور اپنی سرگرمی کو نہیں پرکھتا بلکہ آخرت کی فلاح کو اپنا مطمحِ نظر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنی فکر کا محور بناتا ہے۔ دنیا کے بنائے ہوئے نفع اور نقصان کے معیارات اس کی آنکھوں کو خیرہ نہیں کرتے۔ وہ دین کے اقدار اور اصول کے مطابق اپنے سماج کی تعمیر اور تشکیل کی تگ و دو ضرور کرتا ہے لیکن مادی کامیابیوں سے اپنی سرگرمیوں کا محاسبہ نہیں کرتا۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت میں یہ ارشادِ نبوی ہے:

مَنْ كَانَتْ هَمُّهُ الدُّنِيَا فَرَّقَ اللّٰهُ شَمْلَهُ وَ جَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنِيَا اِلَّا مَاكُتِبَ لَهُ. وَمَنْ كَانَتِ الْاٰخِرَةُ نِيَّتُهُ جَمَعَ اللّٰهُ لَهُ اَمْرَهُ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَاَتَتْهُ الدُّنِيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ. (ابن ماجه)

”جس کی فکر کا مرکز دنیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا شیرازہ منتشر کر دے گا اور اس کی محتاجی اس کی آنکھوں کے سامنے کر دے گا اور دنیا میں اس کو صرف اتنا مل پائے گا جو اس کے لیے لکھا جا چکا ہے؛ اور جس نے آخرت کے حصول کی نیت کی، اللہ تعالیٰ اس کا معاملہ یک جا کر دے گا اور اس کی بے نیازی اس کے دل میں پیدا کر دے گا اور دنیا خود اپنی خواہش سے اس کے پاس آئے گی۔“

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ”دنیا اسلام کی منتظر ہے“ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ انسانوں کو اس کا شعور ہے کہ وہ کس چیز یا کس نعمت کے منتظر ہیں۔ وہ نعمت انہیں کہاں ملے گی۔ بلکہ اس کا سب سے پہلا مطلب یہ ہے کہ انسان کے نفس کے اندر اس کی پیاس موجود ہے۔ اس پیاس کو بجھانے کے لیے وہ ہمہ وقت تگ و دو کرتا رہتا ہے اور ہر اس چیز سے وہ اپنی پیاس بجھانا چاہتا ہے جو اسے حاصل ہو جاتی ہے۔ زندگی کے مختصر اور ہنگامہ پرور سفر کے دوران متعدد بار اسے اپنی بے بسی کا احساس ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ سہارے ڈھونڈھتا ہے۔ اس کی اس طلب سے فائدہ اٹھا کر شاطر انسانوں نے یا تو خود ہی پرماتما یا بھگوان کا روپ دھار لیا ہے یا بہت سے خود ساختہ معبود گھڑ لیے ہیں۔ مگر وہ انسان کی پیاس نہ بجھا سکے۔ اس کے قلب کو سکون نہ عطا کر سکے۔ معبودوں کی کثرت نے اس کی زندگی کو ایسی شکست و ریخت سے دوچار کیا ہے جس سے وہ اب تک عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ روحانی تشنگی نے ایسے دبیز غلاف اس کی آنکھوں پر ڈال دیے ہیں کہ وہ

Marfat.com

حقیقت تک رسائی نہ حاصل کر سکا۔ لیکن اس کی فطرت کا عدم اطمینان اور اس کا اضطراب جاری رہا ہے۔ اسلام اسی پیاس کو بجھاتا ہے۔ وہ انسان کی شخصیت کو متعدد خداؤں کے درمیان بانٹنے کے بجائے اسے ایک دوسرے سے وابستہ کرتا ہے۔ قرآن اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے:

وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ۝ (الحج: ۳۱)

''اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا۔ اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اسے ایسی جگہ پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔''

ایک مستحکم در سے وابستہ ہونے کی تڑپ ہر انسان کے تحت الشعور میں موجود ہے۔ اس کے دل کی گہرائیوں میں یہ اضطراب خوابیدہ ہے۔ چناں چہ جب کبھی تمام سہارے ٹوٹ جاتے ہیں، مادی وسائل ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، عقل و تجربہ حیران اور ششدر رہ جاتے ہیں، تو یہی خوابیدہ جذبہ شعلہ کی طرح لپک اٹھتا ہے اور انسان اپنے حقیقی مالک اور پروردگار کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتا ہے۔ ایسا کبھی شعور کے ساتھ ہوتا ہے، اور کبھی بے شعوری کے عالم میں:

هُوَ الَّذِىۡ يُسَيِّرُكُمۡ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ‌ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنۡتُمۡ فِى الۡـفُلۡكِ‌ۚ وَجَرَيۡنَ بِهِمۡ بِرِيۡحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوۡا بِهَا جَآءَتۡهَا رِيۡحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الۡمَوۡجُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اُحِيۡطَ بِهِمۡ‌ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَـهُ الدِّيۡنَ‌ۚ لَئِنۡ اَنۡجَيۡتَنَا مِنۡ هٰذِهٖ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ‏۝ (یونس: ۲۲)

''وہ اللہ ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے۔ چناں چہ جب تم کشتیوں میں سوار ہو کر باد موافق پر فرحاں اور شاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکا یک باد مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں اور مسافر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں وہ گھر گئے۔ اس وقت سب اپنے دین کو اللہ ہی کے لیے خالص کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس بلا سے نجات دے دی تو ہم شکر گزار بندے بنیں گے۔''

وَ اِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيۡبًا اِلَيۡهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعۡمَةً

Marfat.com

مِنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ط (الزمر:۸)

''انسان پر جب کوئی آفت آتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کر کے اسے پکارتا ہے۔ پھر جب اس کا رب اسے اپنی نعمت سے نواز دیتا ہے تو وہ اس مصیبت کو بھول جاتا ہے جس کو وہ پہلے پکارتا تھا اور دوسروں کو اللہ کا ہمسر ٹھہراتا ہے تاکہ اس کی راہ سے گمراہ کرے۔''

الغرض، توحید کی طلب انسان کے قلب میں جاگزیں ہے۔ خداؤں کی کثرت اس کی عقل سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ لیکن جب اس عقل پر خواہشات اور رسم و رواج کے پردے پڑ جاتے ہیں تو وہ چھوٹے چھوٹے خدا بنا لیتا ہے۔ مادی وسائل کو اپنی مشکلات کا حل سمجھ لیتا ہے۔ مگر یہ اضطراب اس قدر قوت رکھتا ہے کہ ہر بے بسی کے موقعہ پر انسان بے ساختہ خدائے واحد کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی سے تمنائیں وابستہ کرتا ہے۔ اس سہارے سے اپنی مصیبت کا علاج کرنا چاہتا ہے۔ اس گھڑی میں سارے خدا حقیر اور بے بس معلوم ہوتے ہیں اور تمام مادی اسباب ہیچ ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ توحید کا تصور ہے جو اسلام فراہم کرتا ہے۔ انسان جب خدائے واحد کو یاد کرتا ہے تو اس کو حقیقی اور پائیدار اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ (الرعد:۲۸)

''خبردار رہو، اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔''

اور اس کی شخصیت کو وہ مستحکم محور اور مضبوط سہارا مل جاتا ہے جو انسانی کردار کی ہر لڑی کو ایک مضبوط سلسلہ میں پرو دیتا ہے۔ یہی وہ ''قول ثابت'' ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مومن کو ثبات اور طمانیت قلب عطا فرماتا ہے۔

سرگشتی اور حیرانی کے اس عالم میں اس سے زیادہ قیمتی نعمت اور کیا ہو سکتی ہے؟ منتشر الحال اور پراگندہ فکر و نظر کو آج بھی سکینت کی تلاش ہے۔ یہ سکینت توحید سے ملتی ہے۔ اسلام اسی کی طرف بلاتا ہے۔

اس انتظار کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ دور حاضر کا سماج اور فرد جن مسائل سے دوچار ہے، ان کا علاج صرف اور صرف دین حق میں مضمر ہے۔ آج کی دنیا اس حقیقت سے بے خبر

Marfat.com

ہے۔ اس لیے وہ اپنے مسائل کے حل کے لیے مختلف ماڈل بناتی ہے۔ متعدد نظام ہائے حیات تجویز کرتی ہے۔ نظریات تشکیل دیتی ہے۔ ان کی شکست و ریخت سے گزشتہ چند دہائیوں میں پوری انسانیت کو سابقہ پیش آیا ہے۔ ایسے فلسفے گھڑے گئے ہیں جن کے تانے بانے معاش سے جڑے ہوئے تھے۔ ایسے نظام بنائے گیے جن کی غایت انسان کی مادی بہتری تھی؛ جنھوں نے فرد وسماج کو خود پرستی کا سبق دیا، مادہ پرستی کا چلن جس کا شعار بن گیا۔ کسی نے اسٹیٹ اور سوسائٹی کے بت تراشے اور کسی نے انفرادی آزادی کے صنم کو سجدہ کیا۔ لیکن انسان صرف مادی وجود نہ تھا، اس لیے اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیے وہ اخلاق اور روحانیت کے نظریات بھی گڑھتا رہا۔

ان دونوں متضاد نظریات کا دعویٰ یہ تھا اور ہے کہ یہ انسانیت کے مصائب کا علاج ہیں۔ لیکن مادی ترقی کے اس دور میں حقیقی انسانیت سکڑتی چلی گئی۔ محبت اور خلوص جنس بازار بن گیے۔ ایثار کی جگہ خود غرضی نے لے لی۔ دیانت کو دیس نکالا دے دیا گیا اور خیانت و بددیانتی، مادی خوش حالی کے زینے بن گیے۔ لیکن اس کا سنگین ترین نتیجہ یہ رہا کہ خود غرضی و خود پرستی، بددیانتی و خیانت اور ظلم واستحصال کو فردِ انسانی پر وارد ہونے والی بیماری کے بجائے اس کی فطرت قرار دے دیا گیا اور سماج کو ان سے بچانے کے لیے مادی تدابیر اختیار کی جانے لگیں۔ چناں چہ انفرادی ملکیت کو ختم کر کے اجتماعی ملکیت کو مسلط کرنے کی کوشش کی گئی۔ جن ملکوں میں انفرادی ملکیت برقرار رہی، وہاں ضوابط اور کنٹرول کی پالیسیاں اختیار کی گئیں۔ قانون کی کتابوں کا حجم بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ قانون خود ہی گورکھ دھندا بن گیا اور ظلم واستحصال کے نت نئے ذرائع جنم پانے لگے۔ چناں چہ اس دور میں کمزور کی مظلومیت میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے۔ غریب کے افلاس اور بے بسی کی وسعتوں اور گہرائیوں میں افسوسناک گراوٹ آئی ہے۔

سماج کی سطح پر جو تعلقات اور روابط مقدس سمجھے جاتے ہیں، ان کو مادی معیاروں کے تابع کر دیا گیا۔ شوہر اور بیوی کے تعلقات کو معاش پر قربان کر دیا گیا۔ چناں چہ بیوی کو حسن فروشی اور ماڈلنگ پر آمادہ کرنے کا چلن بڑھتا گیا۔ بیوی کو عہدہ اور مناصب کی ترقی کا ذریعہ بنالیا گیا۔ طلاق اور علیحدگی کھیل تماشہ بن گیے۔ اولاد کو خود ساختہ ترقی کے ایسے بھاری بوجھ میں کس دیا گیا کہ وہ خلوص اور محبت عنقا ہوتے چلے گیے جن پر خاندانی نظام کی بنیاد تھی اور جو معصوم خوشیوں کی ضمانت تھے۔ نہ بھائی اور بہن کی محبت برقرار رہی اور نہ ہی بزرگوں کا احترام اور ان کی خبر گیری

Marfat.com

ہمارے سماج کا چلن رہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں بوڑھوں کے گھر، طلاق کی روز افزوں شرح اور انسانی تعلقات کی بے حرمتی ان کے ناقابل تردید شواہد ہیں۔

خود غرضی اور مادہ پرستی کے ایسے سبق انسانوں کو دیے گیے جن کا لازمی اور فطری نتیجہ تشدد گردی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ایک طرف دولت کے ذرائع اور وسائل عیش وعشرت میں ایسی ترقی ہوئی جو صرف چند دہائیوں قبل انسان کے تصور میں بھی نہ آسکتی تھی۔ دوسری طرف انسانیت کے سواد اعظم کی محرومی اور افلاس دور نہ ہوسکے تو نفرت اور تشدد کا رجحان بڑھتا گیا۔ جرائم پرورش پانے لگے۔ ظلم و ناانصافی اتنے وسیع ہوگیے کہ زندگی کے ہر شعبہ پر مسلط ہوگئے۔

مادی ترقی کے اس سیلاب نے انسانیت کو جوڑنے کے بجائے اسے مزید منتشر کردیا جس کے اثرات بین الاقوامی سطح پر نظر آتے رہے۔ ہندستان میں انسانوں کو اونچی اور نیچی ذاتوں میں تقسیم کردیا گیا۔ یہ تقسیم موجودہ ہندستان میں اور شدید ہوگئی۔ نفرت اور عناد کے جذبات سیاست اور معیشت دونوں میں درآئے ہیں۔ کمزوروں کے حقوق پس پشت ڈال دیے گیے۔ ان کے جان و مال اور عزت آبرو پر موقعہ بے موقعہ دست درازی کی جاتی رہی۔ لیکن جب نچلی ذاتوں کو اپنے حقوق کا شعور پیدا ہوا تو یہ تقسیم تصادم اور کشمکش میں بدل گئی جس کو قانون اور حکومت کی تدابیر بھی کم نہ کرسکے۔ سماج واد اور حقوق انسانی کے شعور نے بظاہر اس شدت میں کمی کی ہے لیکن نہ فکر و نظر میں کسی بنیادی تبدیلی کے آثار نظر آتے ہیں، نہ دلوں کی کدورت ختم ہوئی ہے۔ اس ملک عزیز میں ذات پات کے علاوہ رہن سہن کے انداز اور عقیدہ و مذہب نے بھی دلوں کو پھاڑا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان تعلقات کی بنیاد، شک وشبہ اور نفرت وعناد پر رکھی گئی ہے؛ دین و مذہب کو پیشہ میں تبدیل کرکے انہیں معاشی استحصال کے ذرائع میں بدل دیا گیا ہے۔

مادی ترقی کے اس ہنگامہ خیز دور میں جب مصنوعی اور خود ساختہ نظام ٹوٹ پھوٹ گئے تو بے سہارا انسانیت ایک بار پھر روایتی ثقافت اور روحانی طرز زندگی کی طرف رجوع کرتی نظر آرہی ہے۔ یورپ، امریکہ اور خود اپنے ملک میں قدیم ثقافتی شناخت اور روایتی مذہب کو زندہ کرنے کی کوشش ہورہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دور حاضر کا انسان خود کو مشینوں اور آلات کے غلبہ اور دولت کی ہمہ گیری کے درمیان گم پاتا ہے۔ سوشلزم اور مارکسزم، جو اس کا آخری سہارا تھے، وہ اس طرح ٹوٹ پھوٹ گئے کہ خیالی امیدیں اور تصورات بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ وہ امیدیں

Marfat.com

اور وہ تصورات جو دولت کے ظلم اور استحصال کے طوفان بلاخیز کے درمیان اس کی شخصیت کو زندہ رکھتے تھے۔ عوام اور خواص کو اشتراکیت نے عدل و انصاف کے جو خواب دکھائے تھے، وہ بکھر گئے۔ اب صرف سرمایہ داری اور مادہ پرستی میدان زندگی کے شہ سوار رہ گئے۔ غریب اور مظلوم عوام جس سرخ سویرے کی منتظر تھے، وہ شب تاریک میں بدل گیا۔ نظریات اور آئیڈیالوجی کے اس خلا نے انسانوں کو صرف قدیم ثقافت اور روایتی مذہب کی تجدید پر آمادہ نہیں کیا ہے، بلکہ عجیب وغریب رُوحانی تصورات کو بھی جنم دیا ہے۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے خودکشی کو راہ نجات قرار دیا ہے۔

مگر ان مذاہب اور روحانی تصورات کو دنیوی زندگی کی اصلاح، اور انسانی سماج کی تعمیر نو سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ان میں سے بعض، مذہب کو ایسا نشہ بتاتے ہیں جو آلام ومصائب کو بھلا دیتا ہے اور بعض، زندگی کی ہلاکت کو فلاح کا آخری معیار قرار دیتے ہیں۔ روایتی ثقافت کی تجدید بھی انسان کے دکھوں کا علاج تجویز نہیں کرتی بلکہ جارحیت اور عناد کے خارزار کو سیراب کرتی ہے جس کی مثال ملک عزیز میں ہندتوواد ہے۔ اس تحریک کے پیش نظر، زندگی کی تعمیر اور سماج کے اصلاح کا کوئی نقشہ کار نہیں ہے۔ بلکہ صرف تہذیبی رجعت اور ثقافتی بالادستی ہے، جو اس ملک میں یک رنگی کو فروغ دینے میں یقین رکھتی ہے۔ اس کی زد پر نہ مادہ پرستی ہے، نہ سرمایہ داری اور ظلم و استحصال ہے، نہ غربت، مرض اور جہالت ہے، نہ انسانیت عامہ کی دادرسی ہے، بلکہ یہ تحریک تو مادہ پرست مغرب کی خوشہ چیں ہے۔ اس کی نظریں اسی زر پرستی پر مرکوز ہیں جو مغرب کا مآل کار ہے۔

ہمارے ملک عزیز کے عوام اور خواص، انہیں مسائل میں مبتلا ہیں جہاں ان کی روح کی گہرائیوں میں تلاش وجستجو کا ایک نہ ختم ہونے والا اضطراب ہے۔ اسلام ان مسائل کا موثر اور دائمی حل تجویز کرتا ہے۔ وہ غریبوں کے لیے رحمت ہے۔ ان کی ضرورت کی تشفی کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ کمزوروں اور ضعیفوں کی دستگیری کرتا ہے۔ سرمایہ کی بالادستی کا ازالہ کرکے، اسے انسانوں کا خادم بناتا ہے۔ باہمی نفرت وعناد کے جذبات ختم کرکے، احترام آدمیت کو فروغ دیتا ہے۔ ایسے نظام معیشت کی تعمیر کے اصول دیتا ہے جو معاشرہ کو عادلانہ تقسیم اور پیدائش دولت سے بہرہ ور کر سکے۔ اس ملک کے عوام کو جس منصفانہ نظام سیاست کی ضرورت ہے، اس کے لیے اخلاق اور دیانت داری اور حقوق شناسی کے ایسے اصول اور اقدار فراہم کرتا ہے جس کی بنا پر اس کی تعمیر ممکن

ہو۔ وہ مسلک اور عقیدہ کے اختلاف کو مشیت الٰہی کا مظہر قرار دیتا ہے اور اس بنا پر انسان کے بنیادی حقوق میں تفریق نہیں کرتا۔ وہ نسل و رنگ اور فرقہ اور قبیلے کے اختلاف کو صرف تعارف کا ذریعہ بتاتا ہے۔ وہ مرد اور عورت کو یکساں انسان قرار دیتا ہے اور جنس کی بنیاد پر حق تلفی کو ناجائز بتاتا ہے۔ وہ دین و مذہب کو عجیب و غریب روحانی تصورات کا مجموعہ بنا کر اسے دنیوی زندگی سے بے نیاز نہیں کرتا اور نہ انسان کی فطری ضروریات سے صرف نظر کرتا ہے، بلکہ وہ ایک سادہ اور قابل فہم دین ہے۔ دینی جدوجہد اور انسانی خدمت کو ایک دوسرے کے اجزائے لاینفک بنا دیتا ہے۔

زیادہ تفصیل کا موقع تو نہیں ہے، یہاں ہم محض چند ضروری نکات کی طرف اشارہ کریں گے تاکہ یہ بات سامنے آ سکے کہ اسلام دور حاضر کی ضرورت کیوں ہے اور عام انسانیت ایسے نظام عدل و رحمت کی شعوری یا غیر شعوری طور پر کیوں منتظر ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلام نے دین کو صرف موہوم اور خیالی روحانیت کے منازل طے کرنا نہیں بتایا ہے بلکہ خدمت انسان کا وسیلہ قرار دیا ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۷۷)

”نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر کو اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے، اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔ نماز قائم کرے اور زکوۃ دے، اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں، اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہی راستباز لوگ اور یہی متقی ہیں۔“

رسول اکرم ﷺ نے اپنے بعض ارشادات میں جس طرح صدقہ کی قسمیں بتائی ہیں وہ اس حقیقت کو پوری طرح واضح کرتی ہے۔ انفاق مال اور صدقہ، دین حق کی تعلیمات میں مرکزی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس لیے درج ذیل روایت کلیدی تشریح کی حامل ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہ ارشاد ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، ہر آدمی پر صدقہ واجب ہوتا ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ہمارے پاس کہاں اتنا مال ہے کہ ہم صدقہ کریں: آپ نے فرمایا: جنت کے دروازے بہت ہیں۔ تسبیح، تکبیر، تحمید، بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا، بہرے کو (کوئی بات سمجھا کر) سنانا، اندھے کو راستہ بتانا، ضرورت مند کی ضرورت کو پوری کرنے میں رہنمائی کرنا، پیروں سے چل کر پریشان حال کی مدد کرنے کے لیے دوڑنا، کمزور کا بوجھ اٹھالینا، یہ سب تمہارا اپنے اوپر صدقہ ہے۔" (ابن حبان)

ایک مختصر روایت ہے:

عَنِ النَّوَاسِ بِنْ سَمْعَانٌ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاکَ فِي نَفْسِکَ وَ کَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ.

(مسلم)

"نواس بن سمعانؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نیکی حسن اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تمہیں یہ ناپسند ہو کہ لوگوں کو وہ معلوم ہو جائے۔"

اسلام کے نزدیک روحانی منازل طے کرنے کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ انسان کچھ عجیب و غریب افعال اور اذکار میں مست ہو جائے اور معاشرے کی فکر سے بے نیاز ہو جائے بلکہ اپنے پروردگار کے ذکر اور انسانیت کی خدمت میں لگ جائے کیوں کہ حسن عبادت اور حسن اخلاق دونوں ایک دوسرے کا جوڑ ہیں۔ حقیقی مذہب وہ ہے جو رہبانیت کی تعلیم دینے کے بجائے تعمیر دنیا اور اس کی آراستگی کی تعلیم دیتا ہے۔ چناں چہ خدا کا حق اور خلق خدا کا حق، دونوں ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی یہ شان رحمت ہے کہ حسن سلوک صرف انسانوں تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام جان دار مخلوقات پر محیط ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

Marfat.com

فِی کُلِّ کَبِدٍ رَطَبَۃٍ أَجْرٌ. (بروایت عبداللہ بن عباس۔ فی جامع العلوم والحکم. حافظ ابن رجب)

''ہر جاندار کی خدمت باعث اجر ہے۔''

دورِ حاضر کے انسان کو ایک ایسے ہی مذہب کی تلاش ہے جو روح کی پاکیزگی اور سماج کی آراستگی کو ایک ہی راستے کے نشانات راہ قرار دیتا ہو۔

اس دور کا دوسرا مسئلہ زر پرستی اور سرمایہ پرستی ہے، دولت کا بخار ہے جس میں پوری انسانیت مبتلا ہے۔ گزشتہ چند دہائیوں میں زر کی پیدائش اور اس کی سپلائی میں سینکڑوں گنا اضافہ ہوا ہے۔ اس اضافہ کی شرح، سامانِ صرف اور حقیقی پیداوار سے کئی گنا زیادہ رہی ہے اس وقت دنیا میں اتنی دولت پائی جاتی ہے کہ کرہ زمین کے وزن سے کئی گنا زیادہ سونا خریدا جاسکتا ہے۔ اس اضافہ نے سود کے آغوش میں پرورش پائی ہے۔ سودی کاروبار زرگری کا یہ کرشمہ ہے کہ زر کی رسد (Money Supply) میں محیر العقول اضافہ ہو رہا ہے۔

مگر کاروبار زرگری کے خبیث ثمرات کا سرسری جائزہ بھی حد درجہ اذیت ناک ہے۔ دولت کے اضافہ نے انسانوں کے درمیان غربت اور امارت کی خلیج کو وسیع تر کیا ہے جس نے غریبوں کی بے بسی، مرض اور افلاس اور محرومی میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر غیر معمولی شدت پیدا کی ہے۔ ایک طرف امیر ممالک ہیں جو ہر طرح کے سامانِ صَرف، اور عیش و عشرت کے سیلاب میں بہتے جارہے ہیں۔ مثلاً امریکہ، مغربی یورپ اور جاپان جیسے ممالک۔ دوسری طرف افریقہ کے صومالیہ، نائجیریا، سوڈان؛ ایشیا کے بعض ممالک جیسے بنگلہ دیش اور میانمار وغیرہ ہیں جہاں قحط، بھکمری، مرض، افلاس اور بے روزگاری کے عفریت مسلط ہیں۔ اور قومی سطح پر ہندستان جیسے ممالک میں ۵۰ سالہ جدوجہد کے بعد بھی انسانوں کی کثیر تعداد دو وقت کی روٹی سے بھی یا تو محروم ہے یا ناقابل برداشت مشقت کی چکی میں پس رہی ہے، افلاس اور محرومی میں مبتلا ہے۔ دوسری طرف ایک قلیل تعداد ہے جو دولت کی ریل پیل سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔

حصولِ دولت کے جنون نے ظلم و فساد کے ایسے سوتے کھول دیے ہیں جن کی یلغار کے سامنے انسان پہلے سے کہیں زیادہ بے بس ہے۔ خیانت، بددیانتی، جھوٹ و فریب کاروبار زرگری کے وہ حیلے ہیں جو جمہوری ہندستان میں عوام کو روندر ہے ہیں۔ مثلاً رشوت کو لے لیجیے؛ پیدائش کا

سرٹیفکٹ بھی رشوت سے ملتا ہے، اسکولوں میں داخلے کے لیے رشوت درکار ہے، اعلیٰ فنی تعلیم کے لیے رشوت یا عطیات Donation کی مانگ ہے۔ بجلی اور فون کا کنکشن بھی بغیر رشوت نہیں مل سکتے۔ کچہری اور عدالت رشوت کے کارخانے بن گئے ہیں۔ بڑے شہروں میں تدفین کے لیے جگہ بھی بغیر رشوت ممکن نہیں ہے۔ الغرض، پیدائش سے لے کر موت تک سرمایہ پرستی اور حصول زر کے کاروبار ہیں جن کے سامنے جمہوری ہندستان کے جمہور ششدر کھڑے ہیں۔ جمہوریت کے مقتدرِ اعلیٰ اپنے سرمایہ پرست خادموں کے رحم وکرم پر زندگی گزارنے کے لیے مجبور ہیں۔

زر پرستی کے جنون نے فضا اور ماحول کو آلودہ کردیا ہے۔ پوری دنیا میں جس طرح آلودگی پھیل رہی ہے، اس کے براہ راست ذمہ دار، امیر ممالک اور ان کی صنعتیں ہیں، ملٹی نیشنل کارپوریشن اور کمپنیاں اور اپنے ملک میں ان سرمایہ دار آقاؤں کے نقش قدم پر چلنے والے سرمایہ دار اور سیاست داں ہیں۔ سودی سرمایہ کے تسلط اور اس کی ہمہ گیری کا بھولے بھالے عوام کیا تصور کرسکیں گے، ہمارے خواص بھی ان سے بے خبر ہیں۔ سودی سرمایہ داری کی فطرت یہ ہے کہ وہ غریبوں اور پسماندہ ممالک اور عوام کو اپنے زیر کرم رکھنا چاہتا ہے۔ اگر پسماندہ ممالک ان کے سحر سے آزاد ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو انہیں اوندھے منھ زمین پر گرادیتا ہے، جس کی مثال جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک اور ان کی معیشتیں ہیں۔ مثلاً: انڈونیشیا، ملائشیا وغیرہ۔ روس کی تباہی بھی سودی سرمایہ کے شاطرانہ چالوں کی مرہون منت ہے۔ اسی سودی سرمایہ نے ابھرتی ہوئی طاقتوں کی جرأت رندانہ سلب کرلی ہے۔ چین کو مغرب کے سودی سرمایہ کی ضرورت ہے، اس لیے وہ مغرب کے سامنے صرف ''شوں شاں'' کرسکتا ہے، اس کے آگے اسے یارائے کشمکش نہیں ہے۔ ہندستان بھی رفتہ رفتہ امریکہ کی دست نگر طاقت بنتا جارہا ہے جس کو وہ دوستی اور حلیفانہ تعلقات کا نام دیتا ہے۔ سب سے عبرتناک مثال تو خلیجی ممالک کی ہے جن کو خدا نے تیل کی دولت عطا کی تھی مگر چند برسوں میں سودی سرمایہ داری نے ان کو اپنے جال میں پھنسا دیا ہے۔ تیل کی آمدنی کی اچانک یلغار نے ان ممالک کے عوام اور حکومتوں کو پہلے اس پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے فاضل سرمایہ کو بیرونی سودی بنکوں میں جمع کرائیں۔ اور جب انہوں نے جمع کردیا تو ان کی سیاسی اور معاشی آزادی بڑی حد تک زائل ہوگئی۔ وہ اپنے بنکوں اور بیرونی ممالک کی معاشی اور سیاسی پالیسی کے زیر دام آگئے جس کی ایک مثال ایران کا اربوں ڈالر کا سرمایہ ہے جس کو امریکہ نے منجمد کردیا ہے۔ دنیا کی

Marfat.com

معیشت اور سیاست پر ہمہ گیر غلبہ کے متعدد مظاہر دنیا کے سامنے آئے ہیں۔ ڈنکل (Dunkel) تجاویز، پٹینٹ لا، آزاد بین الاقوامی تجارت G-8 کے تحت معاہدے؛ ان کے ذریعہ پسماندہ ممالک خام مواد بھی اپنے ملکی مفادات کے تحت برآمد نہیں کر سکتے۔ اپنی زرعی پیداوار کے متعلق خود مختار نہیں رہ جاتے۔ یہ نتائج ہیں سودی سرمایہ داری اور اس کے ساتھ منسلک عسکری قوت کے۔

داخلی معیشت پر بین الاقوامی سودی اداروں کا اثر نمایاں ہے۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) اور عالمی بنک صرف قرض اور نام نہاد امداد نہیں دیتے بلکہ قرض داروں کی پالیسی اور ضوابط کو کنٹرول کرتے ہیں۔ ملکی معیشت کی تشکیل نو کی شرائط عائد کرتے ہیں۔ یہ معاشی استعمار کا دور ہے، سیاسی استعمار کا دور گزر گیا۔ لیکن اوّل الذکر نے وہ کچھ حاصل کر لیا اور کرتا جا رہا ہے جو آخر الذکر کے لیے ممکن نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہے کہ قومی اقتدار اعلیٰ اور استقلال کے تصورات بے معنی ہو گئے ہیں۔

سودی سرمایہ پرستی نے جو کلچر فروغ دیا ہے، وہ مروت، انسانیت، شفقت اور باہمی خیر خواہی کا کلچر نہیں ہے بلکہ بے رحمانہ مسابقت کا کلچر ہے، حرص و آز کا کلچر ہے۔ ایثار اور محبت کی جگہ، خود غرضی اور شقاوت قلب کا کلچر ہے، عدل و انصاف کی جگہ موقع پرستی اور استحصال کا کلچر ہے۔ لہذا عامۃ الناس پراگندہ حال ہیں، کمزور اور ضعیف، سماج کے حاشیے پر کھڑے، زرداروں کا بے رحمانہ کھیل دیکھتے رہتے ہیں۔ ان تمام حالات اور کیفیات کے عبرت ناک مناظر دیکھنے کے لیے کسی بھی بڑے شہر میں سلم (Slums) کو دیکھ لیجیے۔ کسی سرکاری اسپتال میں غریب مریضوں کا ازدحام دیکھ لیجیے۔ فٹ پاتھ کے اوپر گندی نالیوں کے جوار میں ڈھابے دیکھ لیجیے۔ اس پانی کا استعمال کر لیجیے جس سے غریب اور پس ماندہ لوگ پیتے پیتے آغوش مرگ میں پہنچ جاتے ہیں۔ اگر یہ کافی نہ ہوں تو کچہری یا پولس تھانے چلے جائیے جہاں ناکردہ گناہ غریب جرم ضعیفی کی سزا بھگتتے ہیں۔ جہاں انصاف دیے نہیں جاتے بلکہ خریدے جاتے ہیں۔

سودی جنگِ زرگری کے تباہ کن اثرات سے انسانیت کراہ رہی ہے۔ مگر طرفہ تماشا یہ ہے کہ عوام و خواص کو یہ سبق دیا جاتا ہے کہ اس خوں آشام کھیل میں تم اگر شامل نہ ہوئے تو پچھڑ جاؤ گے۔ حالاں کہ اس نظام کی فطرت یہ ہے کہ یہ پچھڑوں کو اور پیچھے ڈال دیتا ہے۔ محروموں کی تعداد میں دن دونے اور رات چوگنے اضافہ کرتا ہے۔ لارڈ اسٹامپ (Lord Stamp) نے جو بنک آف انگلینڈ کے ایک ڈائریکٹر تھے، اپنے قتل ہونے سے قبل بنک کاری پر یہ تبصرہ کیا تھا:

Marfat.com

''بنک کاری کے تصور نے ناانصافی میں جنم لیا اور اس کی پیدائش، گناہ میں ہوئی تھی۔ بنک کار زمین کے مالک ہیں۔ ان سے اسے چھین لو، لیکن ان کا یہ اختیار باقی رہنے دو کہ وہ زر کی تخلیق کریں، تو وہ قلم کی ایک جنبش سے اتنا زر تخلیق کرلیں گے کہ وہ اسے پھر خرید لیں۔ اگر تم بنک کاروں کے غلام بھی رہنا چاہتے ہو اور اپنی غلامی کی قیمت بھی ادا کرنا چاہتے ہو تو ان بنک کاروں کو زر اور قرض پر کنٹرول کرنے دو۔''

اسلام نے زر پرستی کی بنیاد پر سود کو حرام قرار دے کر کاری ضرب لگائی ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ (البقرہ:۲۷۵)

''ایسا اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی آخر سود جیسی چیز ہے، حالاں کہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔''

اس نے حرص و آز اور کثرت مال کے حصول کا ازالہ کرنے کا حکم دیا ہے:

وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ (الحشر:۹)

''حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچالیے گئے وہ فلاح پانے والے ہیں۔''

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ قف (الحشر:۹)

''اور اپنی ذات پر وہ دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔''

تکاثر اور دولت کے حصول کے جنون کو ناشکرے انسان کی حقیقت بتایا ہے:

اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۙ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ (التکاثر:۱،۲)

''تم کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک کہ تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو۔''

انسان کے مال و اسباب پر غربا اور مساکین کا حق بتایا ہے:

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (الذاریات:۱۹)

''اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کا حق ہے۔''

دور حاضر کو اسلام کے نظام رحمت کی جستجو اس لیے بھی ہے کہ وہ غیر شعوری طور پر رفتہ رفتہ ایک ایسے بحران کا شکار ہوتا جارہا ہے، جس نے اس کو انسان سے حیوان بنادیا ہے۔ یہ بحران اصلاً انفرادی اور اجتماعی اخلاق کا بحران ہے۔ آج اخلاق کی ٹھوس اور پائیدار بنیاد موجود نہیں

Marfat.com

ہے۔ نہ اخلاقی زندگی گزارنے کا داعیہ پایا جاتا ہے اور نہ ایسے محرکات موجود ہیں، جو انسان کو اخلاقی قدروں کی پیروی پر آمادہ کرسکیں۔ مزید برآں اجتماعی ماحول بھی ایسا ہے، جو ان قدروں کے مطابق چلنا مشکل لیکن پامالی کو آسان بناتا ہے اور اس کے لیے سازگار فضا بھی فراہم کرتا ہے۔ سازگار ماحول مضبوط اور کمزور ـــــ دونوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ جبکہ ناموافق ماحول مضبوط کردار کو بھی شدید جدوجہد کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

سماج کی تعمیر سے تعلق رکھنے والی ہر جدوجہد کی کامیابی کسی نہ کسی نوعیت کے اخلاق پر منحصر ہوتی ہے۔ اشتراکی سماج اگرچہ اخلاق اور مذہب کو رد کرتا ہے لیکن ایک خاص قسم کی اخلاقیات کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ کبھی زور زبردستی سے کام لیتا ہے اور کبھی سماجی اداروں اور تنظیمات کی حسب منشا تشکیل کرتا ہے۔ تاکہ پرولتاری اخلاق کی بنیادیں مستحکم ہوجائیں۔ سرمایہ دارانہ نظام زندگی کے متعلق بعض مفکرین نے ایک خاص نوعیت کی اخلاقی اقدار کو سرمایہ داری کے عروج کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ (Religion and The Rise of Capitalism R.H.Tawney 3)

یہ مسئلہ اس وقت اور بھی پیچیدہ ہوجاتا ہے جب پورے سماج کی تعمیر اور بہتری مقصود ہو۔ مثلاً اگر معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ بھی مطلوب ہو کہ اس ترقی کے فوائد عوام کو پہنچیں، معاشی فلاح و بہبود کسی خاص طبقے یا گروہ تک محدود نہ رہ جائے بلکہ عام انسانوں تک اس کی پہنچ ہو اور معاشی عدل اور انصاف کا چلن ہو۔ اس غرض کے لیے متعدد پالیسیاں اختیار کی جاتی ہیں۔ مگر وہ عدل و انصاف حاصل کرنے میں ایک محدود فاصلے تک ہی جاسکتی ہیں۔ ان کی کامیابی و ناکامی کا انحصار معیشت کے چلانے والے ہاتھوں کی دیانت اور امانت اور ان کے احساس ذمہ داری اور ایثار نفس پر منحصر ہے۔ ان جیسی اخلاقی صفات کو پروان چڑھائے بغیر معاشی ترقی کی منفعتیں عوام تک نہیں پہنچ سکتیں۔ معاشی ترقی اور معیار زندگی کی بلندی جن صفات پر منحصر ہوتی ہے، ان میں سب سے اہم، دولت کی محبت اور خود غرضی ہے۔ ان میں اور ان اخلاقی صفات میں جو عام انسانیت کو زندگی کی نعمتوں سے بہرہ ور کرسکتی ہیں، تضاد پایا جاتا ہے۔ اس لیے ان دونوں قسم کی صفات کے درمیان توازن اور ہم آہنگی پیدا کرنا ضروری ہے۔ مگر افسوس ہے کہ موجودہ ہندستانی سماج میں دولت اور معیار زندگی کی طلب غالب ہوتی جارہی ہے اور ان کے بالمقابل ایثار نفس جیسی صفات نادر ہوتی جارہی ہیں۔

Marfat.com

اخلاقی بحران کی ہمہ گیری

معاش کے علاوہ سماجی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کی تعمیر و اصلاح بھی اخلاقی قدروں پر منحصر ہے۔ مثلاً عام انسانی تعلقات کی بنیاد جب تک باہمی محبت اور تعاون کے جذبات پر استوار نہ ہو، ہر ترقی، عذابِ جان بن جاتی ہے اور اصلاح کا ہر قدم فساد کا سبب بن جاتا ہے۔ عائلی زندگی کی بہتری اور استحکام کے لیے جو قدم بھی محض قانون کی سخت گیری کی شکل میں اٹھایا جاتا ہے، وہ بجائے عدل وانصاف کے، ظلم و جبر کا حیلہ بن جاتا ہے۔ عورت صدیوں سے کمزور رہی ہے۔ اس کو وہ وسائل کبھی حاصل نہیں رہے ہیں جو مردوں کو حاصل رہے ہیں۔ اس لیے وہ اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے صرف ہاتھ پاؤں مار سکتی ہے۔ ان تک پہنچنا اس کے لیے نہایت دشوار طلب امر ہے۔

جنس کی مساوات (Gender Equality) کے تمام دعوؤں کے علی الرغم، ہندستانی عورت آج بھی کمزور اور مظلوم ہے۔ اس کے حقوق کی بازیافت کا عمل اسی وقت نتیجہ خیز ہوسکتا ہے جب کہ وہ اخلاقی فضا پیدا کی جائے، جو اسے مردوں کا محض دست نگر سمجھے، بلکہ محبت اور باہمی تعاون کے جذبات فروغ دے۔ عائلی زندگی کے تحفظ کے لیے عیسائی سماج میں ایک عرصے تک طلاق کو تقریباً ناممکن بنادیا گیا تھا۔ مگر اس سے استحکام تو کیا ہوتا، ظلم اور استحصال کے متعدد حیلے نکالے گئے۔ شوہر اور بیوی کے فطری تعلقات کی جگہ غلط اور غیر اخلاقی طریقے عام ہوگئے۔ جدید ہندستان میں شوہر کی آزادی پر روک لگانے کے لیے طلاق کے بعد تاحیات نان ونفقہ کی ذمہ داری عائد کردی گئی۔ لیکن اعداد وشمار شاہد ہیں کہ طلاق کے بعد نان ونفقہ حاصل کرنے کے لیے کمزور اور مفلوک الحال عورت کو عدالتوں کے اتنے چکر لگانے پڑتے ہیں کہ بالآخر اکثریت مایوس ہوجاتی ہے۔ سیاسی زندگی میں پچھڑی ذاتوں کے لیے جو قدم اٹھائے گئے ہیں، وہ نہایت وسیع الاطراف رہے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی مظلومیت اور بے بسی ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آتی۔ ان کی عورتوں کی عصمت دری کے واقعات روزمرہ اخبارات کی زینت بنتے ہیں۔ ان کی بستیاں اجاڑی جاتی ہیں اور ان کے جان و مال تباہ کیے جاتے ہیں۔ مگر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ پسماندہ طبقات کے لیڈر حضرات ان کی پشت پر سوار ہوکر ان کی زبوں حالی کا مذاق اڑاتے ہیں اپنی دنیا سجاتے ہیں اور کمزوروں کی بدحالی کو سیاسی طاقت کا زینہ بناتے ہیں۔ یہ اخلاقی بحران زندگی کے تمام شعبوں پر مسلط ہے۔ اس کا فساد اتنا ہمہ گیر ہے اور اس کی تاریکیاں اتنی گہری ہیں

Marfat.com

کہ عوام کے علاوہ خواص بھی پریشان ہیں۔ اجتماعی زندگی میں جس طرح اخلاق و کردار کا فساد برپا ہے، اس کا تفصیلی ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن بعض اہم اخلاقی فساد ایسے ہیں جن کا بار بار ذکر کرنا آئندہ گفتگو کے لیے بنیاد فراہم کرسکتا ہے۔

تشدد اور قتل و غارت گری کی لہر

سب سے اہم فساد ہمارے سماج میں انسانی زندگی اور عزت و آبرو کی ارزانی، تشدد اور غارت گری ہے۔ جس کسی کے پاس قوت اور وسائل موجود ہیں، وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے تشدد کو قانون پر فوقیت دیتا ہے۔ پہلے یہ کام صرف ایسے لوگ کرتے تھے، جن کا پیشہ جرائم اور منشیات کی فراہمی تھا۔ مگر اب یہ رجحان تعلیم یافتہ نوجوانوں، امیر اور مقتدر لوگوں تک وسیع ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں میں تشدد اور جرم کا رجحان نہایت تیزی سے پھیل رہا ہے۔ سیاست داں اور ان کے حلیف بھی نہایت بے باکی سے قتل کرتے ہیں جس کا ثبوت الیکشن کے موقع پر قتل کے واقعات ہیں۔ جرم اور قتل و غارت گری کو ہمارے سماج میں اب احترام بھی ملتا جا رہا ہے، جس کا ایک مظہر یہ ہے کہ مختلف سیاسی پارٹیاں الیکشن کے موقعے پر مجرموں اور قتل کے مقدموں میں ماخوذ افراد کو نہ صرف ٹکٹ دیتی ہیں بلکہ ان کو وزارت بھی بخش دیتی ہیں۔ متعدد میڈیا رپورٹوں کے بموجب یو. پی کی وزارت میں ۱۲، ۱۳ افراد ایسے ہیں جن پر قتل کے متعدد مقدمات چل رہے ہیں۔

قتل و غارت گری اب مذہبی فسادات کے بھی حیلے بن گئے ہیں۔ مثلاً اسٹین اور اس کے بچوں کا بے رحمانہ قتل، اور حال میں ایک عیسائی پادری کا قتل۔ فرقہ وارانہ فسادات کے موقعے پر سانحۂ بابری مسجد کے بعد بمبئی اور دوسرے متعدد مقامات کے فسادات۔ سب انسانی زندگی کی ارزانی کے ناقابلِ تردید شواہد ہیں۔ ازدواجی زندگی میں قتل کی واردات اب عام ہوتی جا رہی ہیں۔ ان میں سے بعض، میڈیا کی نظر میں آجانے کی وجہ سے شہرت پا جاتے ہیں۔ مثلاً ابھی ایک دو سال قبل ایک سیاسی پارٹی کے نوجوان قائد نے اپنی بیوی کو قتل کیا اور پھر اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے تندور میں پھینک دیا۔ تشدد اور قتل کے ان واقعات کا شکار مظلوم عورتیں زیادہ ہو رہی ہیں۔ کتنی ہی دلت خواتین ایسی ہیں، جن کی بے حرمتی کرنے کے بعد انہیں قتل کر دیا گیا۔

انسانی زندگی کی ارزانی کا سب سے سنگین پہلو یہ ہے کہ اب قتل جیسا سنگین جرم اپنے

Marfat.com

مادی اور سیاسی مفادات حاصل کرنے کا عام ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ معمولی اور حقیر مفادات اور مال و جائیداد کے جھگڑوں کے لیے قتل پہلے بھی ہوتے تھے، مگر اب یہ رجحان اتنا ترقی کر گیا ہے کہ بحث ومباحثہ کے اختلافات بھی اسی طرح حل کیے جاتے ہیں۔ کچھ روز پہلے یہ خبر آئی تھی کہ دہلی میں دو نوجوان دوست کسی مسئلے پر بحث کر رہے تھے، یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ ٹرینوں میں سیٹ کے جھگڑے اور سینما کے ٹکٹ لینے پر جھگڑے بسا اوقات قتل پر منتج ہوتے ہیں۔ فسادات کی شقاوت اور انسانیت سوزی روز افزوں ہے۔ گجرات کے حالیہ فسادات میں جس طرح نوجوانوں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو زندہ جلایا گیا، وہ ماضی کی تمام بے رحمی اور شقاوت کو میلوں پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ اس کا سب سے المناک پہلو یہ ہے کہ زندہ انسانوں کو جلا کر اور معصوم خواتین کی عصمت دری کے ذریعے بزعم خود دھرم کی خدمت کی گئی ہے۔ گویا جو دھرم یا مذہب انسانوں کو انسان بنانے کے لیے اور اعلیٰ اخلاقی صفات پیدا کرنے کے لیے وضع کیا گیا تھا، اس نے اپنے ماننے والوں کو درندہ بنا کر چھوڑا۔

نوزائیدہ بچیوں کا قتل

انسانی زندگی کی ارزانی کا ایک نہایت گھناؤنا مظہر نوزائیدہ بچیوں کا قتل ہے۔ ہندستان میں اس زمانے میں بھی بعض ریاستوں مثلاً کیرلہ، اڑیسہ اور بہار میں یہ رواج ہے کہ مائیں خود یا دائیوں کی مدد سے اپنی نوزائیدہ بچیوں کو مختلف بے رحمانہ طریقوں سے پیدائش کے چند ماہ بعد اس خوف سے قتل کر دیتی ہیں کہ ان کی وجہ سے جہیز کا انتظام کرنا پڑے گا۔ ٹائمز آف انڈیا کی ۲۲ ستمبر ۱۹۹۹ء کی اشاعت میں اس مسئلے کی شناعت اور اس کے متوقع اثرات پر ایک اداریہ میں راجستھان کے ایک گاؤں کا المناک واقعہ لکھا ہے کہ ۱۱۰ سال کے وقفے میں صرف ایک لڑکی کی وہاں پر شادی ہوئی۔ اس لیے کہ باڑمیر ضلع کے گاؤں دیورا میں اس طویل عرصے میں ایک لڑکی کی بھی پیدائش کی رپورٹ نہیں ملتی۔ اس صورت حال کی لرزہ خیز تفصیل یہ ہے کہ معصوم بچیاں گلا گھونٹ کر یا افیون کھلا کر موت کے گھاٹ اتار دی جاتی ہیں۔ اخبار مزید لکھتا ہے کہ جدید ٹکنالوجی کو بچیوں کی پیدائش روکنے کے لیے وسیع پیمانے پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جہیز کی وجہ سے نئی دلہنوں کے قتل کی خبریں اخبارات میں برابر آتی رہتی ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ان واقعات میں زیادہ تر جدید تعلیم یافتہ خاندان ملوث پائے گئے ہیں۔

پولس اور فوج کی چیرہ دستیاں

یہ رجحان صرف عوام میں نہیں پایا جاتا بلکہ حکومت کے ان کارندوں میں بھی بڑی حد تک موجود ہے، جو امن وامان قائم کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ ایذا رسانی اور حراستی اموات اب روز مرہ کے واقعات بن گئے ہیں۔ حقوق انسانی کے بین الاقوامی سمپوزیم کے مجلس منتظمہ کے صدر جسٹس وی. ایس. ملمیتھ نے اپنے ایک حالیہ بیان میں کہا ہے کہ ملک بھر کے تمام پولس اسٹیشنوں میں ایذا رسانی کے واقعات پیش آ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان اسٹیشنوں میں بھی جن کی انچارج خواتین ہیں۔ خود ہندستان میں حراستی اموات روزمرہ کا معمول بن گئی ہیں۔ (قومی آواز، دہلی ۲۲ ستمبر ۱۹۹۹ء)۔

PUCL (People's Union for Civil Liberties) کی رپورٹوں کے بموجب عسکری اور نیم عسکری دستوں نے کشمیر میں معصوموں کے قتل اور خواتین کی بے حرمتی کو اپنا عام شیوہ بنا لیا ہے۔ چناں چہ کشمیر کی عدالت میں ایسے سیکڑوں مقدمات درج ہیں، جن میں پولس اور فوج کے نوجوان ملزم ہیں۔ یہ سلوک ان لوگوں کے ساتھ روا رکھا گیا، جو اس ملک کے شہری ہیں اور ان خطوں کے ساتھ جائز قرار دیا گیا جن کو ہم ''ملک کا اٹوٹ انگ'' کہتے ہیں۔ اتراکھنڈ ایجی ٹیشن کے دوران مظفرنگر اور دوسرے بعض اضلاع میں پولس کے بعض ارکان نے وسیع پیمانے پر خواتین کی بے حرمتی کی اور امن پسند عوام میں سے کتنے ہی لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ کچھ مہینے پہلے آندھرا پردیش میں پولس کی چیرہ دستی سے تنگ آکر متعدد افراد نے خودکشی کی۔ بمبئی کے ۱۹۹۳ء کے فسادات میں معصوم عوام کے مکانات جلائے گئے اور کتنے ہی لوگوں کو گولیوں سے بھون دیا گیا۔ بہار کی جیل میں پولس نے ۲۲ قیدیوں کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ یہ اقدام حکومت کا بھرم اور قانون کی بالادستی قائم کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں۔ ان کا نہایت شرمناک پہلو یہ ہے کہ خوف و دہشت طاری کرنے کے لیے خواتین کی عصمت کو خاص نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہ اس ملک میں ہو رہا ہے، جہاں جمہوریت قائم ہے۔ جہاں انسانی حقوق کی متعدد انجمنیں سرگرم کار ہیں۔

تشدد اور قتل و غارت گری کے اس وسیع رجحان کی ترقی کا ایک سبب یہ ہے کہ ان جرائم میں ملوث لوگوں کو یہ یقین ہے کہ قانون کی مشینری اتنی ناکارہ ہے کہ ان کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ قانون کی گرفت اگر کہیں سخت بھی ہوتی ہے تو وہ رشوت کے بل بوتے پر اس سے بچ جاتے ہیں۔

Marfat.com

دوسرا سبب ان کا یہ یقین ہے کہ نتائج، زورِ بازو اور دادا گیری سے بآسانی حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ آپ اس سے کیجیے کہ عام شہری بھی قانون سے مدد لینے کے بجائے دادا گیری کی طرف رجوع کرتا ہے۔ روزمرہ کی زندگی کی عام سہولتوں کا حصول اب قانون کی مدد سے حاصل کرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ اس لیے لوگ مجرموں اور بندوق برداروں کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ بعض بڑے شہروں کے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ چھوٹے دکان دار شہر کے 'دادا' لوگوں کو 'ٹیکس' دیتے ہیں تاکہ وہ عافیت سے اپنا کاروبار چلائیں۔

کرپشن کا عروج

اس اخلاقی بحران کا دوسرا مظہر یہ ہے کہ جن اخلاقی برائیوں کو انفرادی زندگی میں لوگ برا سمجھتے ہیں، ان کو اجتماعی معاملات میں اختیار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ بلکہ نوبت بایں جا رسید کہ ان برائیوں کو اب معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً بجلی کی چوری شہروں میں عام ہے۔ ٹیکس کی چوری کے بے شمار حیلے رائج ہو گئے ہیں۔ حکومت کے متعدد منصوبوں کے لیے جو رقمیں منظور کی جاتی ہیں، ان کا بڑا حصہ کارپردازانِ حکومت کی جیبوں میں چلا جاتا ہے۔ سابق وزیر اعظم آنجہانی راجیو گاندھی نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ سرکار اگر ایک روپیہ منظور کرتی ہے تو ۱۵ پیسے عوام تک پہنچ پاتے ہیں۔ ملک کی خدمت کے دعوے دار سیاست داں تو ملک کی دولت کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ بنکوں کے ذریعہ جو فلاحی قرض منظور کیے جاتے ہیں، ان کے لیے بھی رشوت دینی پڑتی ہے۔ حال ہی میں ایک کتاب میں ان اسکیموں کا جائزہ لیا گیا ہے جو پسماندہ خطوں اور قبائل کے لیے منظور کی گئی تھیں۔ ان میں سے کتنی ایسی ہیں جو سرکاری کارپردازوں کی دھاندلی کی وجہ سے یا تو روبہ عمل نہیں آسکیں یا اگر روبہ عمل آئیں بھی تو دوسرے طبقات کے لیے۔ جہاں تک عام اخلاقی قدروں کا تعلق ہے، ان کا حال اور بھی برا ہے۔ معاملات میں دھوکہ اور خیانت، غذائی اشیاء میں ملاوٹ، کم ناپنا اور تولنا، احساسِ ذمہ داری اور فرض کی ادائیگی سے گریز، جھوٹ اور فریب موجودہ ہندستانی سماج مین بری طرح کارفرما ہیں۔ یہ تمام برائیاں اپنی نوعیت اور اثر کے اعتبار سے سماجی زندگی میں فساد پیدا کرتی ہیں۔ چناں چہ ان سے عوام اور خواص، سب ہی پریشان ہیں۔

قانون کا استعمال کس کے لیے؟

اس اخلاقی بحران نے ایسا ماحول پیدا کردیا ہے، جس میں اخلاقی خوبیوں کا اختیار کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔ دیانت داری دشوار ہوگئی ہے اور بددیانتی آسان اور نتیجہ خیز! قانون کی پاسداری عافیت نہیں فراہم کرتی بلکہ اس کی پامالی میں خیریت ہے۔ امن پسند شہری بے وقعت ہے، اور زور بازو (Mussele Power) والے محترم! اگر آپ چار سو بیس کرنے میں ماہر ہیں تو دولت اور اقتدار آپ کی قدم بوسی کریں گے۔ لیکن اگر آپ سیدھے اور صاف طریقوں سے تجارت کرنا چاہتے ہیں تو پوری زندگی عسرت کی نذر ہوجائے گی۔ اگر آپ عدل وانصاف حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سچ نہ بولیے، ورنہ آپ یا تو اپنے حق سے محروم ہوجائیں گے یا ناکردہ گناہی کی سزا بھگتیں گے۔ قانون کی گرفت ان نیک اور سادہ دل بندوں کے لیے نہایت سخت ہے جو بدبختی سے ایمان دار اور صادق القول ہیں۔ مثلاً اگر آپ اپنی آمدنی اور اخراجات کا سچا کھاتہ بیان کردیں گے تو ٹیکس، آمدنی سے زیادہ لگ جائے گا۔ اگر آپ ایک حقیر سا پلاٹ خریدنا چاہیں تو نہ بیچنے والا صحیح قیمت بیان کرے گا اور نہ ہی خریدنے والا۔ اس لیے کہ دونوں کو ٹیکس کا خوف ہے جو ناانصافی پر مبنی ہے۔

اس سماج میں قانون اس مفروضے پر مبنی ہے کہ ہر فرد بے ایمان ہے یا جھوٹا ہے، خیانت اور دھوکا دہی اس کی فطرت ہے اور اگر وہ ایسا نہیں ہے تو مواقع اسے ایسا بنادیں گے۔ چناں چہ وہ قانون، دیانت اور صداقت کے خلاف امتیاز برتتا ہے۔ وہ فرد کی آزادی اور عزت نفس کے بلند بانگ دعوے ضرور کرتا ہے لیکن طرفہ تماشا یہ ہے کہ عملاً یہ آزادی صرف اس کو حاصل ہوتی ہے جو فریب اور دغا کو شعار زندگی سمجھتا ہے۔ قانون کو نافذ کرنے والی پولس کے سایے سے بھی امن پسند شہری دور بھاگتا ہے۔ عدل وانصاف کے بلند وبالا قصر سے بھی وہ خدا کی پناہ مانگتا ہے۔ اس قانون نے صرف عوام کی زندگی اجیرن نہیں بنا رکھی ہے بلکہ دیانتدار افسروں اور معمولی کارندوں کو مجبور محض کر رکھا ہے کہ یا تو وہ بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئیں یا پھر راستہ ناپیں۔ جیسا کہ بمبئی کے میونسپل کمشنر کے ساتھ ہوا یا جیسا کہ یوپی کے ایک ایماندار پولس افسر کے ساتھ ہوا، یا جیسا کہ متعدد ایسے افسروں کے ساتھ ہوا جو فرقہ وارانہ فسادات میں ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے رہے۔[1]

---

1. پولس کے غیر منصفانہ رجحان کے لیے دیکھیے V.N.RAI: Combating Communal Conflict (Renaissance Publishing House, New Delhi. 1998)

اس اخلاقی فساد سے ہر مخلص ہندستانی پریشان ہے۔ اس کے موثر علاج کے مختلف نسخے تجویز کیے جاتے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ معروف دو نسخے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان اپنی فطرت' کے اعتبار سے لالچی اور خود غرض ہے۔ اس کی ہلاکت خیزی سے بچنے کے لیے قانون کا سہارا لینا چاہیے اور ایسی انسدادی تدابیر اختیار کرنی چاہیے، جس کے خوف سے وہ باز رہے۔ لیکن اس تدبیر کی سب سے اہم خامی یہ ہے کہ خود قانون کا نفاذ کرنے والے بھی وہی انسان ہوتے ہیں، جن کی سرشت اگر خراب ہو تو ان کی بھی خراب ہوگی، جن پر وہ قانون نافذ کیا جاتا ہے۔ اس کی دوسری خامی یہ ہے کہ بہت سے اخلاقی عیوب کا علاج اسی وقت اور اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ذہن وقلب کی اصلاح کی جا سکے۔

مذاہب کا رول

دوسرا معروف نسخہ ہے مذہب اور مذہب کی اخلاقی تعلیمات۔ مگر بیشتر مذاہب، روحانیت اور اجتماعی و انفرادی اخلاقیات کو ایک دوسرے سے بالکلیہ الگ رکھتے ہیں۔ بعض مذاہب ایسے ہیں جن میں روحانیت اور تزکیۂ نفس کی واحد راہ ترکِ دنیا ہے۔ جتنے زیادہ روحانی مدارج آپ طے کرتے جائیں گے، اتنا زیادہ آپ عامۃ الناس اور زندگی کے معاملات سے الگ ہوتے جائیں گے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں، جو اخلاق کو صرف محدود معنی میں لیتے ہیں۔ مثلاً عیسائیت کے نزدیک رحم اور مروت و شفقت ہی اصل قدریں ہیں۔ اجتماعی اخلاق کا اس کی تعلیمات میں کوئی اہم مقام نہیں ہے۔ اس لیے وہ اجتماعی زندگی سے متعلق کوئی بھی ہدایت نہیں دیتا۔ اہنسا کی تعلیم دینے والے مذاہب مثلاً بدھ مت اور جین مت بھی اجتماعی اخلاقیات کو روحانی زندگی سے الگ رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں بھی روحانی زندگی کی معراج ترک لذات ہے۔

اخلاقی فساد کے اس ہمہ گیر بحران میں آج ہر باشندۂ ملک جو روایتی تعصب اور حمیت جاہلیت میں مبتلا نہیں ہے، ایک ایسے نظام فکر و عمل کا متلاشی ہے جو اس کا ازالہ کر سکے، حب دنیا اور حب نفس کے قوی داعیہ پر عبور پانے میں انسان کی مدد کر سکے۔ حق و انصاف کے صرف الفاظ اور مبہم نعرے ہی عطا نہ کرے بلکہ ان کے سلسلے میں تفصیلی رہنمائی بھی دے۔ وہ مذہب اور روحانیت کو عجیب و غریب اعمال اور افکار کا مجموعہ نہ قرار دے بلکہ ان کو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی

کی درستگی کا ذریعہ بنائے۔ اخلاقی قدروں کو صرف انفرادی اور پرائیویٹ زندگی تک محصور نہ کرے بلکہ اسے سماجی تعمیر و تشکیل کی بنیاد فراہم کرے۔

صحیح نقطۂ نظر

اسلام ایک ایسا ہی نظام و فکر و عمل ہے۔ وہ خالص روحانی زندگی، یہاں تک کہ عبادات کو بھی اخلاقی قدروں سے منسلک کرتا ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کے نزدیک خدا کی رضا جوئی کی راہ بھی اخلاقی قدروں کے مخلصانہ اتباع سے ہو کر گزرتی ہے۔ وہ اخلاق اور کردار کو مومن کی زندگی میں مرکزی حیثیت دیتا ہے۔ وہ ترکِ دنیا یا ترکِ لذات کے بجائے اجتماعی زندگی کی تعمیر اور درستی کو دینِ حق کا مقصد قرار دیتا ہے۔

اس نے اپنے پیغمبر ﷺ کی صفات جس طرح بیان کی ہیں، وہ انتہائی اہمیت کی حامل ہیں:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ۝ (القلم:۴)

”بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ۖ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ۝ (ال عمران: ۱۵۹)

”اے پیغمبر! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ لہٰذا ان کے قصور معاف کر دو۔ ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو شریکِ مشورہ رکھو؛ اور جب عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔“

اس آیت میں اجتماعی اخلاق کو رسول اللہ ﷺ کی پیغمبرانہ حیثیت کے ساتھ کس طرح منسلک کیا گیا ہے، یہ قابلِ غور ہے۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی اخلاقی صفات کو اس طرح بیان فرماتا ہے:

Marfat.com

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ؁ (التوبۃ:۱۲۸)

''تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے۔ ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔''

حق وانصاف کا قیام اور حسن سلوک۔ دین اسلام کا امتیازی وصف

اسلام نے انفرادی اور اجتماعی اخلاق کو دینی زندگی کی پہچان بتایا۔ قرآن کریم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین حق کو اس لیے نازل فرمایا ہے کہ اس کی تعلیمات کی پیروی سے ایک طرف تو حق عبودیت ادا کیا جا سکے، اور دوسری طرف انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی اصلاح ہو سکے۔ بلکہ بعض جگہوں پر تو انسانوں کے درمیان حق وانصاف کے قیام اور حسن سلوک کو اس دین کے نازل کرنے کا مقصد قرار دیا گیا ہے۔

وحی کے ابتدائی زمانے میں رسول اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اپنے رب کی شکر گزاری کا حق ادا کرنے کی غرض سے:

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؁ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ؁ (الضحیٰ:۹،۱۰)

''لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو۔''

دین حق کے منکرین کا بیان اس طرح کیا گیا ہے:

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ؁ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ؁ ... وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ؁ (الماعون:۲-۷)

''وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے پر نہیں اکساتا... اور معمولی ضرورت کی چیزیں بھی (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں۔''

پیغمبرانہ وظیفے کی انجام دہی کے لیے جو حکم دیا گیا ہے، اس میں خالص دین دارانہ زندگی اور اجتماعی اخلاق کا امتزاج اس طرح کیا گیا ہے کہ اس سے بہتر صورت ممکن نہ تھی:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ؁ قُمْ فَاَنْذِرْ ؁ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ؁ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ؁ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ؁ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ؁ (المدثر:۱-۶)

Marfat.com

”اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور خبردار کرو۔ اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ اور اپنے کپڑے صاف رکھو۔ گندگی سے دور رہو اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے۔“

اس آیت میں ثیاب سے متعدد مفسرین نے اخلاق کی پاکیزگی مراد لی ہے۔ گندگی سے اگرچہ بدرجہ اولیٰ کفر و شرک کی گندگی ہے، لیکن اس سے صفائی اور ستھرائی بھی مراد ہے۔ احسان جتانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک عیب ہے۔ اخلاقی صفات اور اخلاقی عیوب کو پیغمبر ﷺ کے اصل مشن سے اس طرح جوڑا گیا ہے کہ گویا وہ ایک دوسرے کے اجزائے لاینفک ہیں۔

دوسری جگہ دین حق کا مقصد عدل و قسط کا قیام بتایا۔ گویا یہ واضح کیا گیا ہے کہ روحانیت، ترک دنیا اور ترک روابط کا نام نہیں ہے، بلکہ خداوند کریم کی خوشنودی اس میں مضمر ہے کہ عدل و قسط کے قیام کی انتھک جدوجہد کی جائے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ (الحدید:۲۵)

”ہم نے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔“

ایک جگہ محض عدل و قسط ہی نہیں بلکہ دوسری اخلاقی صفات کا بھی حکم دیا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (النحل:۹۰)

”اللہ عدل اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو۔“

ایک دوسری آیت میں تقویٰ اور عدل کا براہ راست رشتہ جوڑا گیا ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ (المائدہ:۸)

”کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو: یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔“

مومنین کی صفات بیان کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہوں پر اجتماعی اخلاقی صفات کو نماز اور بندگیٔ رب کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ مثلاً:

اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ کے بعد وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ۝ (مؤمنون ۲،۸)

"وہ لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔"

ایک دوسری جگہ یہ ارشاد ہے کہ مومن تو وہ ہیں جن کے اموال میں سائل اور محروم کا حق ہوتا ہے (الذاریات:۱۹) ایک جگہ قدرے تفصیل سے اللہ کے نیک بندوں کے اوصاف گنائے گئے ہیں۔ ان کی اپنے پروردگار کی عبودیت کے ساتھ ساتھ جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ملاحظہ کیجیے:

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۝ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا۝ (الفرقان:٦٧،٦٨)

"جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل، بلکہ ان کا خرچ دو انتہاؤں کے درمیان عدل پر قائم رہتا ہے۔ جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو کرے گا، وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔"

وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۝ (الفرقان:۷۲)

"اور جو لوگ جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر سے ان کا گزر ہو تو شریف آدمیوں کی طرح اس پر گزر جاتے ہیں۔"

چشمۂ آبِ حیات

اجتماعی اخلاقیات کو دین دارانہ زندگی کا تقاضا قرار دینے کے لیے حضور اکرم ﷺ کے ارشادات سے احادیث کی کتابیں معمور ہیں۔ یہاں صرف چند کا ذکر بطور مثال کیا جاتا ہے:

اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِهٖ.

(مشکوٰۃ)

Marfat.com

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ وہ پسند ہے جو اس کی مخلوق سے نیک سلوک کرتا ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلسَّاعِیُ عَلَی الْاَرْمَلَةِ وَ الْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ.
وَاَحْسَبُهٗ قَالَ: کَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ وَ کَالصَّائِمِ لَا یُفْطِرُ. (البخاری)

''بیوہ اور مسکین کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے (راوی کہتے ہیں کہ مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ اس طرح ہے جو رات کو نماز میں کھڑا رہے اور ڈھیلا نہ ہوا اور وہ اس شخص کی طرح ہے جو دن کو روزے رکھے اور کبھی نہ چھوڑے۔''

اسلام نے اس طرح دین داری کو اجتماعی اخلاقیات سے مربوط کیا ہے۔ چناں چہ تقویٰ اور خدا کا خوف، جنت کی جستجو اور عذاب آخرت سے بچنے کی تمنا، دنیا کی محبت سے قوی تر داعیہ فراہم کرتے ہیں۔ یہ انسان کو دنیوی زندگی کی لذتوں کے بالمقابل ایسا قوی محرک فراہم کرتا ہے جس سے اس کے قلب و ذہن کے سامنے یہ سب ہیچ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر خدا کی خوشنودی اس کا مقصدِ زندگی بن جائے تو انفرادی اور اجتماعی اخلاق اس کی فطرتِ ثانیہ بن جاتے ہیں۔

یہاں یہ بتانے کا موقع نہیں ہے کہ اسلام نے صرف ایک قوی تر داعیہ فراہم کر کے انسان کو چھوڑ نہیں دیا ہے بلکہ وہ اصولی ہدایات بھی دی ہیں جن کے نتیجے میں اخلاقی فساد کا ازالہ ممکن ہے۔ ان تعلیمات کی خوبی یہ ہے کہ یہ سادہ ہیں، پر پیچ نہیں۔ انسانی کمزوریوں کا کماحقہ لحاظ کرتی ہیں۔ اسے فرشتہ نہیں بنانا چاہتیں بلکہ اس کی استطاعت کی بقدر ان کا اتباع چاہتی ہیں۔ اخلاقی فساد کے اس دور میں ایسے ہی نظامِ فکر و عمل کی ضرورت ہے۔ یہ وہ آبِ حیات ہے جس کے چشمے کو عصبیت کے اندھیروں نے چھپا رکھا ہے۔

Marfat.com

ازالۂ فساد اور تعمیر معاشرہ کا متوازن منہج

یہ محض دعویٰ نہیں ہے کہ اسلام بلا لحاظ ملت اور رنگ و نسل تمام انسانیت کی خیر و فلاح کا طالب ہے۔ بلکہ اس کی تعلیمات، اس کے اصول و ضوابط اور اس کی اخلاقی اقدار حتی کہ اس کی عبادات تک میں عام انسانوں کی بھلائی کا تصور جھلکتا ہے۔ انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ نبی اکرمؐ کی قیادت میں جو سماج تعمیر ہوا تھا، اس کے رگ و ریشہ میں عام انسانوں سے محبت سمائی تھی۔ عدل و احسان اس کا شیوہ تھا، فحش و منکر سے اجتناب اس کا کردار تھا۔ ضعیفوں اور تہی دستوں کی دستگیری اس کی فطرت تھی۔ عام انسانی جان و مال اس کی نظر میں محترم تھے۔ طیب اور پاکیزہ معیشت اس کا معمول تھا، عفو و درگزر اس کے نشانات راہ تھے۔ صلاح اور خیر کا داعی اور فساد سے مجتنب سماج تھا۔ وہ گروہی اور خاندانی عصبیت سے یک سر محترز تھا اور حقوق و فرائض کے حیرت انگیز توازن کا علمبردار تھا۔ اس نے دین و دنیا کی افراط اور تفریط سے بچنے اور ایک کو دوسرے میں ضم کرنے کی عملی مثال قائم کی تھی۔ اس لیے اس کو امت وسط کا منصب عطا کیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے ہر دور میں انسانیت عامہ کی اس فکر کو اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ مگر امتداد زمانہ نے اس کی اس امتیازی حیثیت پر گرد و غبار ڈال دیا۔ اس نے رفتہ رفتہ ایک قوم کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اپنی توجہات اور سرگرمیوں کو دوسروں کی طرح اپنی ذات تک محدود کر لیا۔

انسانیت عامہ کی یہ فکر اس کی عمومی دعوت میں بھی ملتی ہے اور اس کے اصول و احکام میں بھی مضمر ہے۔ عمومی دعوت میں اس امتیازی شان کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ درج ذیل سطروں میں ہم اجتماعی اور انفرادی زندگی سے متعلق چند احکام کا ذکر کریں گے جن کا سرسری جائزہ بھی اس دعویٰ کا بین ثبوت فراہم کرتا ہے۔

Marfat.com

اسلامی نظام کے اہم خط وخال

قرآن کریم کا اعلان ہے کہ وہ ایک صریح اور محکم طرز زندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ. (بنی اسرائیل: ۹)

''حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھلاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔''

ازالہ فساد اور سماج کی تعمیر

وہ انسانی معاشرے سے فساد کو دور کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات حد درجہ ناپسند ہے کہ اس کی خوبصورت اور خیر وصلاح پر مبنی دُنیا کو برباد کیا جائے۔ اس کی محکم بنیادوں کو کمزور کیا جائے:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا. ط

(الاعراف: ۵۶)

''اور زمین میں فساد مت برپا کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اور خدا ہی کو پکارو خوف اور طمع کے ساتھ۔''

اس فساد کی حقیقت بھی اللہ تعالیٰ نے مبہم نہیں رکھی ہے۔ بلکہ یہ واضح طور پر بتادیا ہے کہ اگر حق نازل نہ کیا گیا ہوتا اور انسان کی دلیل راہ اس کی خواہشات بن جاتیں تو زمین وآسمان فساد سے بھر جاتے:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ. ط (المؤمنون: ۷۱)

''اور اگر حق کہیں ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور ان کی ساری آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔''

تصحیح عقیدہ اور تطہیر افکار

اس فساد کی بنیاد انسانی خواہشات کی بے راہ روی ہے۔ توحید سے اس کا انحراف ہے اور مصنوعی خداؤں کے سامنے سجدہ ریز ہونا ہے:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ (الحج: ۳۱)

''اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا۔ اب یا تو پرندے اسے اچک لے جائیں گے یا ہوا اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی کہ اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔''

عقیدہ کی گمراہی کے علاوہ اس فساد کی ہمہ جہتی نوعیت بھی قرآن کریم نے واضح فرما دی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ (البقرہ: ۲۰۴، ۲۰۵)

''انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے مگر حقیقت میں وہ بدترین دشمن حق ہوتا ہے۔ جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ وہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔''

عام انسانی سماج کے فساد کی کتنی موثر تصویر گری اس آیت میں کی گئی ہے۔ یہ آیت فساد کے بعض بنیادی جہتوں کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔ چرب زبانی اور جھوٹی قسمیں کھانا جس شخص کا شیوۂ زندگی بن گیا ہو، وہی جب صاحب اقتدار بن جاتا ہے تو فصلوں کو تباہ کرتا ہے اور نسلوں کو ہلاک کرتا ہے۔ فصلوں کی تباہی درحقیقت معیشت کی بربادی کی علامت ہے۔ اور نسل انسانی کی ہلاکت، ظلم اور قتل و غارت گری کی علامتیں ہیں۔ ایسے انسانوں سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو تو جھوٹی انا ان کے آڑے آ جاتی ہے۔ خداوند کریم کو یہ پسند نہیں ہے کہ کھیتی تباہ کی جائے اور نسل انسانی ناحق ہلاک کی جائے چاہے وہ کھیتی کسی کی بھی ملکیت ہو اور نسل، ایمان والوں کی ہو یا خدا کے نافرمان بندوں کی۔ اس فساد سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس خدا کو خوف و رغبت سے یاد کیا جائے (الاعراف: ۵۶) اور اس کی مرضیات پر چلا جائے۔

پرامن معاشرے کی تشکیل: انسانی جان کا احترام

خالق کائنات کی نظر میں ہر انسانی جان محترم ہے۔ اس احترام کی پامالی صرف اسی وقت جائز ہے جب کہ وہ قطعی اور واضح مقاصد کے لیے کی جائے اور محدود ہو اور جب کسی کی جان فساد کا سرچشمہ بن جائے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ (الانعام: ۱۵۱)

''اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہو، ہلاک مت کرو مگر حق کے ساتھ۔''

اس جرم کی سنگینی قرآن کریم کی نظر مین ایسی ہے کہ اس نے ایک فرد انسانی کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مماثل قرار دیا ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ ۛۚ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ (المآئدہ: ۳۲)

''اسی لیے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی انسان کے خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے علاوہ کسی اور وجہ سے قتل کر دیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔''

قتل و غارت گری انسانی سماج کے فساد کا سرچشمہ رہا ہے۔ انسانوں نے اپنی خواہشات کی تکمیل، اپنے اقتدار کے تحفظ اور مالی مفادات کے فروغ کے لیے دوسرے انسانوں کو ماضی میں بھی ہلاک کیا ہے اور آج بھی کر رہے ہیں۔ اس کا سدباب دین حق کا ایک اہم مقصد ہے۔ وہ ایک ایسا سماج تعمیر کرنا چاہتا ہے جو عام انسانی زندگی کے احترام، اور حسن سلوک پر مبنی ہو، اس کے نزدیک ایک انسان کی سب سے بڑی حق تلفی یہ ہے کہ اس کی زندگی اس سے ناحق چھین لی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بِنْ مَسْعُوْدٍ قال قال رسول اللہ ﷺ: اَوَّلُ مَایُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِی الدِّمَاءِ۔ (مسلم)

''حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن پہلے جس بات کا فیصلہ انسانوں کے درمیان کیا جائے گا وہ خون کے بارے میں ہوگا۔''

Marfat.com

اس دین کے نزدیک نوزائیدہ بچے اور بچیوں کی جان چھین لینا بھی ایک سنگین حرکت ہے جس کا سخت مواخذہ ہوگا:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (التکویر: ۸، ۹)

''اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں ماری گئی!''

حیوانات سے حسن سلوک

اسلام وہ نظر پیدا کرنا چاہتا ہے جس میں صرف انسان ہی نہیں بلکہ جانور کی ناحق جان لینا بھی غیر محمود ہے، بے زبان جانوروں تک سے حسن سلوک کی وہ ترغیب دیتا ہے۔ اور ان پر ظلم سے باز رکھتا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بن عَمْرِوبْنِ العَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قال: مَنْ قَتَلَ عُصْفُوْرًا فَمَا فَوْقَھَا بِغَیْرِ حَقِّھَا سَأَلَہُ اللّٰہُ عَنْ قَتْلِہٖ. (مشکوۃ)

''نبیؐ کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی گوریا یا اس سے بھی چھوٹی چڑیا کو ناحق قتل کیا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ باز پرس کرے گا۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِبَعِیْرٍ قَدْ لَحِقَ ظَھْرُہٗ بِبَطْنِہٖ فَقَالَ: اِتَّقُوا اللّٰہَ فِیْ ھٰذِہِ الْبَھَائِمِ الْمُعْجَمَۃِ فَارْکَبُوْھَا صَالِحَۃً وَاتْرُکُوْھَا صَالِحَۃً.

(ابو داؤد، سھیل ابن الحنظلیہ)

''رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک اونٹ کے پاس سے ہوا جس کی پیٹھ اس کے پیٹ سے مل گئی تھی تو آپ نے کہا کہ ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور ان پر اچھی حالت میں سوار ہو اور اچھی حالت میں ان کو چھوڑو۔''

بدامنی کا سد باب

غارت گری اور لوٹ مار کو وہ اللہ کے راستے پر چلنے سے روکنے کے مثل جرم قرار دیتا ہے، حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو اس حرکت پر تنبیہ کی تھی کیوں کہ وہ تجارتی قافلوں کو لوٹتے تھے، جو ان کی معاش کا اہم ذریعہ بن گیا تھا:

Marfat.com

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا. (الاعراف: ۸۶)

"اور ہر راستے پر رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ایمان لانے والوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔"

حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کی جن منکرات پر گرفت کی تھی، اس میں غارت گری بھی شامل تھی:

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ. (العنکبوت: ۲۹)

"کیا تمہارا حال یہ ہے کہ مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہزنی کرتے ہو؟"

اسلام اور دہشت گردی — ایں چہ بوالعجبی ست؟

وہ دین جو ہر انسانی جان کو محترم قرار دیتا ہو، جس کا شعار انسانیت کو اللہ کا کنبہ سمجھ کر اس کے ساتھ حسن سلوک ہو، اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ فَاحْسِنُوْا إِلٰى عَيَالِهٖ (الحدیث)، جو حیوانوں کی جان کو بھی ناحق ضائع کرنا ناپسند کرتا ہو، جس دین نے ناگزیر ضرورت کے تحت اور واضح حدود کے اندر رہ کر انسانی جان لینے کی اجازت دی ہو۔ جو غارت گری اور عمومی لوٹ مار کو ناجائز قرار دیتا ہو اور جو نسل، عقیدہ اور رنگ و زبان سے بالاتر ہو کر انسانی معاشرہ کی تعمیر اور تشکیل کو مطلوب قرار دیتا ہو۔ اس کے بارے میں یہ الزام کہ وہ دہشت گردی کی تلقین کرتا ہے، بددیانتی اور سفید جھوٹ کا بے مثال مظہر ہے۔ اور جب یہ الزام ان کی طرف سے تراشا جائے جن کی زندگی کا ہر لمحہ انسانی جان کی تذلیل اور بے وقعتی میں گزرتا ہو تو اس پر سر دھننے کو جی چاہتا ہے۔

معاشرتی بگاڑ کے اہم اسباب اور ان کا علاج

انسانی سماج میں فساد کی دوسری اہم وجہ معاش کا فساد ہے۔ رزق کا حصول اور اس کے لیے جدوجہد ہر سماج میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ ابتدا میں معاش کے معنی صرف بھوک مٹانے اور معقول لباس اور مناسب مکان تک محدود تھے۔ لیکن اب معاش کی جدوجہد نے غیر معمولی وسعت اختیار کر لی ہے۔ یہاں تک کہ ملکوں اور گروہوں کی بیشتر جدوجہد پر معاشی جدوجہد کا

Marfat.com

رنگ غالب ہوگیا ہے۔ اشیائے ضرورت کی تعداد اور ان کی اضافی نوعیت میں انقلاب آ گیا ہے۔ جو کچھ پہلے عیش و تنعم تھا وہ اب معیارِ زندگی کا لازمی عنصر بن گیا ہے۔ قدر و قیمت کے وہ پیمانے جن کا خمیر اخلاقی اقدار سے تیار ہوتا تھا اب وہ معاش کی قدروں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ اب سیاسی پالیسیاں معاش کے تابع ہو گئی ہیں۔ معاش میں فروغ اور عیش و تنعم اور مادی سہولتوں کی فراہمی میں دیانت اور اصول و اخلاق جیسے راستے اب بے معنی ہو گئے ہیں۔ معاشی اغراض اب خود ہی اپنی اقدار اور اپنا طریق کار متعین کرتی ہیں۔ حلال و حرام کے حدود از کار رفتہ ہو گئے ہیں۔ اور ظلم و استحصال بے معنی کاغذی تصورات میں ڈھل گئے ہیں۔

نقد اور زر، پہلے مبادلہ کا وسیلہ تھے؛ اب فی نفسہ مطلوب بن گئے ہیں۔ نقد کے استعمال سے غذائی اشیاء اور مصنوعات میں بڑھوتری حاصل ہوتی تھی تا کہ غربت اور افلاس سے نجات حاصل ہو اور زندگی کی مادی سہولتوں کا حصول ممکن ہو جائے۔ لیکن اب نفسِ زر (Money) میں حیرت انگیز رفتار کا اضافہ فی نفسہ مطلوب بن گیا ہے۔ سرمایہ کی گرفت پہلے معاش تک محدود تھی، اب سیاست، کلچر، اخلاق اور مذہب، عدل و انصاف اور طرزِ معاشرت۔ سب پر اس کی گرفت مضبوط ہوگئی ہے۔ دولت میں بے تحاشہ اضافہ کی لالچ سے سرمایہ دار اب فطرت میں تغیر کرنے پر آمادہ ہے، چناں چہ وہ غذائی اجناس میں بھی (Genetic Mutation) یعنی جنین کی تبدیلی کر رہا ہے۔ جانوروں کو ایسے انجکشن دیے جاتے ہیں اور ایسی غذا فراہم کی جاتی ہے کہ وہ فربہ ہو جائیں، چند برس قبل انگلینڈ میں گائے پر یہی تصرف کیا گیا تھا؛ جس کے نتیجہ میں لاکھوں گائیں پاگل ہوگئی تھیں۔

معاشی دنیا اب لوٹ کھسوٹ کا بازار بن گئی ہے، جس کے نتیجے میں انسانیت کی عظیم اکثریت غربت اور افلاس کے قعرِ مذلت میں گرتی جا رہی ہے۔ دھوکہ دھڑی، خیانت، رشوت خوری، جعل سازی اور بددیانتی غریب انسانوں کے نحیف و زار جسم سے جونک کی طرح خون چوس رہی ہے۔ ہر ملک کے اغنیاء یہی کر رہے ہیں اور امیر ممالک غریب و پسماندہ ممالک کے ساتھ یہی رویہ اختیار کر رہے ہیں۔ دولت کا بہاؤ غریبوں سے اغنیاء کی طرف جا رہا ہے۔ لیکن ھل من مزید کی پیاس ہے کہ بجھتی نہیں۔

Marfat.com

پوری انسانیت کا بہی خواہ دین

اسلام اس فساد کا سد باب کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے کہ وہ پوری انسانیت کا بہی خواہ ہے۔ اس کا پروردگار تمام انسانوں کا نگراں اور محافظ ہے۔ ہر فرد انسانی کی ضروریات کا پورا کرنے والا اور ہر شخص کے خیر و فلاح کا ضامن ہے۔ اس نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ مسلسل جدوجہد کرتا رہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍؕ (البلد: ۴)

''یقیناً ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔''

معاشی جدوجہد بھی اس کی زندگی کا اہم پہلو ہے، اس جدوجہد کو فرد اور اجتماع۔ دونوں کے لیے خیر و صلاح کا وسیلہ بنانے کے لیے اس نے اقدار اور اصول عنایت فرمائے ہیں۔ جو بھی ان کی پیروی کرے گا، فلاح سے ہمکنار ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تعلیمات میں عامۃ الناس کی بہبود مضمر ہے۔

اس دین نے معاش کو لوٹ کھسوٹ اور دنیاداری کے خالص مادی رنگ سے پاک کر کے اس کو ابتغاء من فضل اللہ کا عنوان عطا فرمایا ہے۔ اس نے اسراف اور بخل کے مابین ایک معتدل راستہ متعین فرمایا ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۧ

(الاعراف: ۳۱)

''کھاؤ اور پیو اور اسراف مت کرو۔ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

ہوسِ زر کی مذمت

اس نے دولت کے جنون کی مذمت فرمائی ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُۙ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَؕ (التکاثر: ۱، ۲)

''تم کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔''

Marfat.com

ذوقِ جمال اور فارغ البالی ممنوع اور حرام نہیں

مگر وہ زندگی کی مادی سہولتوں، زیب و زینت اور زندگی کے مادی حسن و جمال کے لیے جدوجہد کو بہ نظرِ استحسان دیکھتا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ط
(الاعراف: ۳۲)

"اے نبیؐ! ان سے کہو، کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاکیزہ رزق ممنوع قرار دے دیا؟"

نبی رحمتؐ نے رزق کے وسائل کے لیے تگ و دو اور اپنے اہل و عیال کے لیے سامان زیست فراہم کرنے کو جہاد فی سبیل اللہ کے مثل قرار دیا ہے:

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، قَالَ: مَرَّعلي النَّبِيِّ رَجُلٌ فَرأى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ جَلْدِهٖ وَ نَشَاطِهٖ فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؛ لَوْ كَانَ هٰذَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ! فَقَالَ ﷺ: اِنْ كَانَ خَرَجَ يَسْعٰى عَلٰى وَلَدِهٖ صِغَاراً فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اِنْ كَانَ خَرَجَ يَسْعٰى عَلٰى نَفْسِهٖ يُعِفُّهَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (ترغیب بحوالہ طبرانی)

"کعب بن عجرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے سے ایک شخص گزرا۔ صحابہ نے دیکھا کہ وہ رزق کے حصول میں متحرک اور مشغول ہے تو حضورؐ سے عرض کیا: اگر یہ دوڑ دھوپ اور دلچسپی اللہ کی راہ میں ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ آپ نے فرمایا: اگر وہ اپنے چھوٹے بچوں کی پرورش کے لیے دوڑ دھوپ کر رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں شمار ہوگی۔ اور اگر وہ ہاتھ پھیلانے سے بچنے کے لیے اپنی ذات کے لیے کوشش کر رہا ہے تو یہ بھی فی سبیل اللہ کوشش شمار ہوگی۔"

اہل و عیال کی پرورش باعثِ اجر و ثواب

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: اِذَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰى اَهْلِهٖ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ لَهٗ صَدَقَةٌ. (متفق علیہ، بروایت ابو مسعود بدری)

Marfat.com

''رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: جب انسان اپنے گھر والوں پر آخرت میں اجر پانے کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔''

رزق حلال اور محنت کی حوصلہ افزائی

آپ ﷺ نے مزید فرمایا ہے کہ:

التَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَاءِ.

(بروایت ابو سعید خدری، ترمذی)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سچائی کے ساتھ معاملہ کرنے والا امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔''

مذکورہ بالا آیات اور احادیث کی روشنی میں معاشی جدوجہد، عام دینی جدوجہد کا جزو بن جاتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے پہلی اہم بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ حصول رزق کے لیے تگ و دو کرنا قابل نفرت لیکن ناگزیر دنیاداری نہیں ہے، اور نہ روحانیت اور اخلاق کے اعلیٰ مراتب کی راہ میں حائل ہے۔ اس کے ہمہ گیر فساد سے پریشان ہو کر دیندار حضرات نے ہر دور میں دنیا سے فرار کو حاصل حیات قرار دیا ہے۔ آج بھی ایسے طائفے ملتے ہیں جو دنیا اور طلب رزق کی جدوجہد کے متعلق منفی نقطۂ نظر کی اشاعت کرتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے تو بعض نفس زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنے کو فلاح آخرت کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس پر خود بھی عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو عمل کی تلقین کرتے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ برس کے چند عجیب و غریب اور پراسرار عقیدے کے حامل بعض گروہوں نے اجتماعی خودکشی کر کے ثابت کیا ہے۔ اس کے بالکل متضاد وہ معاشی طرز عمل ہے جو دولت کے جنون میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جس کی رو سے عیش و تنعم، شراب نوشی اور عورت کوشی حاصل حیات بن گئے ہیں، یہی نقطۂ نظر دور حاضر میں سرمایہ دارانہ زندگی کا شعار ہے جو انسانیت کش، بے رحم، ظالمانہ اور تشدد پسند ہے۔

اس تعلیم سے دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ طلب رزق کی جدوجہد اگر صحیح مقاصد کے تابع ہو، امانت صداقت اور انسانیت دوستی کا مظہر ہو تو یہی عبادت بن جاتی ہے، عمومی خیر و صلاح کو فروغ دیتی ہے۔

ان سے تیسری اہم بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ صرف طلب مال ہی نہیں بلکہ اس کا

Marfat.com

استعمال بھی معتدل اور متوسط حدود کے تابع ہونا چاہیے۔ مال اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے، اس کا ضیاع اس کو پسند نہیں ہے اس کے خرچ میں بخل اور کنجوسی سے کام لینا خود کو اور سماج کو ان فیوض اور برکات سے محروم کر دینا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں فراہم کیا ہے۔ اس کے برعکس، اس کے خرچ میں اسراف سے کام لینے سے انسانی کردار کی تعمیر کے بجائے تخریب ہوتی ہے، اخلاق سے عاری مسابقت جنم لیتی ہے اور ظلم اور استحصال کو فروغ ملتا ہے۔

اسلام نے اس فساد کا ازالہ کرنے کے لیے، سب سے پہلے مال کی پاکیزگی کا واضح تصور عطا فرمایا۔ اس کی نظر میں مال و دولت اور اسباب راحت و آرام وہ ہیں جس میں انسانیت عامہ کے لیے نفع مضمر ہو:

اَلْمَالُ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ. (الحدیث)

''مال وہ ہے جس سے عام انسانوں کو فائدہ پہنچے۔''

جو چیز عام انسانوں کی صحت اور اخلاق کے لیے مضر ہو وہ رزق طیب نہیں ہے بلکہ حرام اور ناجائز ہے۔ دوسری طرف، اس نے پاکیزہ رزق حاصل کرنے کے لیے پاکیزہ ذرائع اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ ایسے ذرائع جو دیانت پر مبنی ہوں، جن میں ظلم و استحصال کا شائبہ نہ ہو اور جو عام اخلاق کے لیے موجب ضرر نہ ہوں۔ جن میں ساری انسانیت کا بھلا مضمر ہو۔ اس دین کی نظر میں صرف حلال اور پاکیزہ رزق مستحسن ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۝ (البقرہ:۱۶۸)

''لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستے پر مت چلو۔''

اس نے ذرائع رزق کی پاکیزگی کو بھی لازم قرار دیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۝ (النساء:۲۹)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے

Marfat.com

مت کھاؤ، الا یہ کہ لین دین ہو آپس کی رضا مندی سے۔ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔"

پاکیزہ ذرائع معاش سے اس نے سود کو خارج قرار دیا ہے۔ سود لینے والے کو ایسا کردار بتایا ہے، جس کی مت ماری گئی ہو:

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ (البقرہ:۲۷۵)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کے جیسا ہو جاتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باولا کر دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے۔ حالاں کہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ تو جس کے پاس اس کے رب سے یہ نصیحت پہنچے وہ آئندہ باز آجائے۔ جو کچھ کھا چکا، کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔"

مبادلہ (Exchange) اور تجارت کو حلال وطیب بنانے کے لیے اس نے دھوکہ، اور کم ناپ تول کو حرام قرار دیا ہے:

فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ (الاعراف:۸۵)

"لہٰذا وزن اور پیمانے پورے کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو۔ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔"

رسول اکرم ﷺ نے تجارت کے فساد کی طرف اپنے ایک جامع ارشاد میں وضاحت فرمائی ہے کہ:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَّ عَلٰی صُبْرَةِ طَعَامٍ، فَاَدْخَلَ یَدَهٗ فِیْهَا۔ فَنَالَتْ اَصَابِعُهٗ بَلَلًا؛ فَقَالَ: مَاهٰذَا یَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ فَقَالَ: اَصَابَتْهُ السَّمَاءُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ. فَقَالَ: اَفَلَا جَعَلْتَهٗ فَوْقَ الطَّعَامِ كَیْ یَرَاهُ النَّاسُ؟ مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا. (مسلم)

Marfat.com

"حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ اس میں آپ نے ہاتھ ڈالا۔ تو آپ کی انگلیوں میں نمی لگ گئی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اے ڈھیری کے مالک! یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ بارش سے بھیگ گیا تھا یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کہ اس کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ دیکھ لیتے۔ جو بھی دھوکا دے اس سے میرا کوئی سروکار نہیں ہے۔"

اسلام نے تجارت کے علاوہ مصنوعات کو بھی طیب ذرائع رزق میں شمار کیا ہے۔

ذرائع رزق میں دوسرا اہم ذریعہ مزدوری اور محنت ہے۔ اسلام نے نہ صرف اس کو مستحسن قرار دیا ہے بلکہ محنت اور مزدوری کو وقار اور احترام عطا فرمایا ہے۔ نبیؐ کا ارشاد ہے:

عَنْ جُمَيْحِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ خَالِهٖ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ اَفْضَلِ الْكَسْبِ. فَقَالَ: بَيْعٌ مَبْرُوْرٌ وَّ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ.

(مسند احمد)

"حضرت جمیح اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے ماموں نے بتایا کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے افضل اور بہتر کمائی کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا: تجارت جس میں نافرمانی رب کے طریقے نہ اختیار کیے جائیں اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا۔"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے کہ:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ: اَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ.

(ترغیب بحوالہ طبرانی)

"حضرت عبداللہ ابن عمرؓ رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس مومن سے محبت کرتا ہے جو محنت سے روزی کماتا ہے۔"

محنت اور مزدوری میں بھی اخلاق اور دیانت داری کی شرطیں عائد کی گئی ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: خَيْرُ الْكَسْبِ كَسْبُ الْعَامِلِ إِذَا نَصَحَ.

(مسند احمد)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: بہترین کمائی مزدوری کی کمائی ہے بشرطیکہ وہ اپنا کام خیر خواہی اور خلوص سے انجام دے۔"

Marfat.com

جسمانی محنت کا احترام اور وقار

دور حاضر میں محنت کش طبقہ سماجی مراتب کے لحاظ سے سب سے حقیر سمجھا جاتا ہے۔ وہ ظلم اور جبر کا سب سے آسان شکار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اب مزدور اور محنت کش طبقہ کمزور نہیں رہ گیا ہے۔ وہ اپنی اجتماعی قوت کے ذریعہ سماج اور حکومت سے اپنے مفادات حاصل کر لیتا ہے۔ یہ بات ممکن ہے آرگنائزڈ صنعتوں کے بارے میں صحیح ہو۔ مگر مزدوروں کی کثیر تعداد بلکہ تیسری دنیا کے ممالک میں ان کی اکثریت آج بھی سرمایہ دار کے رحم و کرم پر زندگی گزارتی ہے۔ دولت کے حالیہ سریع رفتار اضافہ نے تو اس طبقہ کی محرومی میں غیر معمولی اضافہ کیا ہے۔ اور آثار یہ بتاتے ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ یہ طبقہ معیشت اور سیاست کے آخری کنارے پر زندگی گزرانے پر مجبور ہوگا۔ دور حاضر کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود مزدوری اور محنت کشی، کمتر اور حقیر پیشے شمار کیے جاتے ہیں۔ جن سے متعلق افراد کو ہائی سوسائٹی میں کوئی بھی مقام حاصل نہیں ہے۔

اس کے برعکس اسلام محنت کشی کو انبیاء علیہم السلام کے وظائف میں شمار کرتا ہے:

اِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ يَأْكُلُ بِعَمَلِ يَدِهٖ. (الحدیث)

دولت کی عادلانہ تقسیم

اس نے اسباب دولت کی عادلانہ تقسیم کو معیشت کا اہم ترین ہدف قرار دے کر سرمایہ دارانہ استحصال کی جڑ پر تیشہ چلانے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ دولت کا حصول اور مال کے ذخیرے خداوند کریم کی عطا ہیں، اس کی امانت ہیں۔ ہر فرد کو ان پر حق ہے، اس لیے ان کی غیر عادلانہ ترکیز باطل ہے، ظلم و جبر ہے اور رب العزت کی نظر میں لائق مذمت ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ (التوبہ: ۳۴)

"دردناک سزا کی خوش خبری دو ان لوگوں کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔"

انفاق فی سبیل اللہ میں غربا اور کمزوروں پر صرف کرنا بطور جزو لاینفک شامل ہے، جو ترکیز دولت سے روکتا ہے۔ مزید براں، اسلام نے دولت میں سائل اور محروم کا حق واجب کیا ہے:

وَفِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ○ (الذّٰریٰت:۱۹)

''اور ان کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا۔''

اس نے دولت کی عادلانہ تقسیم کے لیے واضح خطوط کار متعین کر کے یہ ہدایت دی ہے کہ:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ ؕ (الحشر:۷)

''جو (مال) بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ، اس کے رسول، رشتہ داروں، یتامیٰ اور مساکین کے لیے ہے تاکہ وہ تمہارے مالداروں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔''

اس طرح مال و دولت کی عادلانہ تقسیم کو محمود اور مستحسن قرار دے کر اسلام نے معیشت کو صحت مندانہ بنیادوں پر استوار کیا ہے۔ اس نے ایک ایسے سماج کی تعمیر و تشکیل کو سارے انسانوں کی غایت اولیٰ قرار دیا ہے جس میں روزی کمانا نفس دین داری ہو، جہاں صرف پاک اور حلال رزق کمایا جاتا ہو، اور پاک رزق کی تعریف یہ ہے کہ وہ اخلاق کا پاسدار ہو اور انسانیت عامہ کے لیے نفع بخش ہو، اس نے ذرائع کسب کو بھی پاکیزگی عطا فرمائی ہے اور تاکید کی ہے کہ جب دولت مل جائے تو اس کو شہوات نفس کی تشفی پر نہ صرف کیا جائے اور نہ دنیا کے غریبوں اور مظلوموں کے لہو پینے والے سرمایہ دار کو زندگی کی کنجی حوالہ کی جائے۔ اسی دین کی انسانیت دوستی، حضور کے اس ارشاد سے اچھی طرح واضح ہوتی ہے:

عَنۡ حَارِثَةَ بۡنِ وَهۡبٍ قَالَ سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوۡلُ: اَلَا اُخۡبِرُکُمۡ بِاَهۡلِ الۡجَنَّةِ؟ کُلُّ ضَعِیۡفٍ، مُتَضَعَّفٍ لَوۡ اَقۡسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ. (بخاری)

''حارثہ بن وہبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اہل جنت سے باخبر کروں؟ ہر کمزور اور وہ جسے لوگ کمزور اور حقیر جانتے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری کردے۔''

Marfat.com

سماج کا تیسرا اہم شعبہ عام معاشرتی تعلقات اور انسانی روابط سے تعلق رکھتا ہے۔ انسانی روابط کی بہتری اور خوش گواری اور باہمی تعاون وتوافق اسلام کا مطمح نظر ہے۔ وہ انسانوں کے تمام گروہوں اور طبقات کے درمیان اخلاق اور انسان دوستی کی بنیاد پر روابط قائم کرنے کا خواہاں ہے۔ ہر فرد انسانی کو وہ وقار اور احترام عطا کرتا ہے۔ عفت پاکدامنی، ایثار اور ایفائے عہد، طہارت اور پاکیزگی کو رواج دینا چاہتا ہے۔ سماج کے ہر طبقہ کے حقوق اور فرائض کے درمیان عدیم المثال تعاون قائم کرتا ہے۔ اور باہمی محبت اور خیر خواہی کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے اس نے دو امتیازی نشانات راہ معین کیے ہیں: پہلا امتیازی نشان یہ ہے کہ وہ انسانی حقوق اور فرائض کی تقسیم میں انسان کے درمیان عقیدہ اور نسل و رنگ پر تفریق نہیں کرتا۔ اس نے انسانیت عامہ کو ایمان کی دعوت اس لیے بھی دی ہے کہ ایمان باللہ اصل حقیقت ہے اور دوسری اس لیے بھی کہ اس کا محمود اور مستحسن معاشرہ اسی وقت وجود میں آسکتا ہے جب کہ اللہ پر ایمان لایا جائے۔

Marfat.com

اسلامی ذہنی ساخت کے اجزائے ترکیبی

ملت اسلامیہ کے علماء اور فقہاء پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا رہا ہے کہ ان کی ذہنی ساخت (Mindset) قدیم ہے۔ اور اب یہ اعتراض تحریک اسلامی کے وابستگان پر بھی کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے قائدین کا بے سوچے سمجھے اتباع کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ اُن کی ذہنی ساخت پرانی ہوگئی ہے۔ دورِ حاضر کا انسان بدل گیا ہے، اس کی سوچ بدل گئی ہے، اس کی ترجیحات میں انقلاب آ گیا ہے، وسائل حیات نے سرعت کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے ہیں۔ یہاں تک کہ طرز گفتگو اور زبان و بیان یکسر مختلف ہوگئے ہیں۔ جب کہ مخاطب وہ نہیں رہ گیا ہے جو انیسویں اور بیسویں صدی میں تھا تو داعی کو بھی بدل جانا چاہیے۔ نکات دعوت کے علاوہ انداز کلام بھی بدل جانا چاہیے۔

ذہنی ساخت (Mindset) کو بدلنے کی یہ دعوت اسلام کے مخلص افراد بھی دے رہے ہیں، اگرچہ ان کی دعوت مثبت ہے، لیکن یہ دعوت وہ لوگ بھی دے رہے ہیں، جن کی اصل غرض کہ اخلاص کے پردے میں رہ کر وہ کام انجام دیا جائے، جو دورِ حاضر کو پسند ہے تاکہ ملت اسلامیہ بھی پورے جوش اور سرمستی سے اس دوڑ میں شریک ہو جائے، جس میں مغرب اور مشرق دونوں شریک ہیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس دعوت کا سب سے بڑا ہدف، اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ وہ اصول، اقدار اور انسانی زندگی کے منہج، سب کو بدل دینا چاہتا ہے۔ وہ صرف عبادت کے طریقے کو نہیں بلکہ کارزار زندگی کو بدل دینا چاہتا ہے۔ وہ شکست خوردگی کے اس اعلان کو رد کرتا ہے کہ اگر زمانہ تمہارے ساتھ نہ چلے تو تم زمانہ کے ساتھ چلو۔ وہ چاہتا ہے کہ ساری انسانیت کو دوسروں کی بندگی سے نکال کر صرف رب کائنات کی بندگی میں لایا جائے، اور اس دین کے ماننے والوں کا یہ یقین کمزور کر دیا جائے کہ اس کی تعلیمات ابدی اور ناقابل تغیر ہیں۔

ہمارے نزدیک ذہنی ساخت کا پرانا ہونا محض منفی الزام نہیں ہے، جس طرح کہ بنیاد پرستی جیسے دوسرے الزام ہیں اور یہ صرف الفاظ تک محدود نہیں ہے، بلکہ مزعومہ جدید ذہنی ساخت کی بنیاد پر اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی خدمت کے پروگرام بھی بعض اداروں اور افراد کی طرف سے بنائے جارہے ہیں اور ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کیا جارہا ہے کہ یہی طریقہ کار صحیح ہے۔ اگر اس طریق کار کو اختیار نہ کیا جائے گا تو تحریکات اسلامی ماضی کی تاریخ بن کر رہ جائیں گی۔ اس وجہ سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس تنقید پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے تاکہ صحیح فیصلے تک پہنچا جاسکے۔

اسلام نے جس ذہنی ساخت کی پرورش کی ہے، وہ اپنی انفرادیت کے اعتبار سے دنیا میں ایک خاص مقام رکھتی ہے، اس کے اجزائے ترکیبی ایسے رہے ہیں جنہوں نے اس کو کسی ایک سمت جھکنے سے محفوظ رکھا ہے۔ افراط اور تفریط کے مابین اس کو عدل اور توازن عطا کیا ہے، ملت اسلامیہ کے علماء اور فقہا نے تاریخ کے بیشتر ادوار میں اس توازن کو پوری احتیاط سے ملحوظ رکھا ہے۔ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک خاص زمانے میں اُس سے اس توازن کا دامن چھوٹ گیا تھا۔ مگر جب بھی ایسا ہوا ہے انہوں نے اپنے طرزِ عمل سے اسلامی ذہنی ساخت کا اظہار نہیں کیا ہے، بلکہ وہ خارج کے اثرات سے متاثر ہوگئے تھے۔ دورِ حاضر میں تحریک اسلامی کے قائدین نے بھی اسی متوازن ذہنی ساخت کا بے مثال نمونہ پیش کیا ہے۔

اس ذہنی ساخت (Mindset) کے اجزائے ترکیبی کیا رہے ہیں؟ اس کی پرورش اور پرداخت میں کون سے عوامل کلیدی کردار ادا کرتے ہیں؟ اس کی پہچان کیا ہے، اور اگر ذہنی ساخت کو دورِ حاضر سے ہم آہنگ بنانا ہے تو اس کی کیا شکل بنے گی؟ یہ چند سوالات ہیں جو سنجیدہ غور و فکر کے طالب ہیں۔

اسلامی ذہن کو بنانے میں دو اساسی عوامل کارفرما رہے ہیں۔ ہمارے علماء اور فقہاء کی افتادِ ذہن میں انہیں دونوں عوامل کا اثر رہا ہے۔ تحریک اسلامی کی فکری اساس اور اس کی سوچ میں یہی دونوں عناصر کارفرما رہے ہیں۔

''اسلامی ذہنی ساخت'' کے بنانے میں سب سے اہم عنصر قرآن وسنت کی تعلیمات ہیں، ان کے مقرر کردہ اصول واقدار ہیں اور وہ طرزِ زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اسلامی مائنڈ سیٹ ان سب سے تشکیل پاتا ہے اور اسی سے وہ تہذیب وثقافت پروان چڑھتی ہے جس کو

''دینی تہذیب و ثقافت'' کہتے ہیں۔ لہٰذا ''اسلامی ذہنی ساخت'' کسی مصنوعی خول کا نام نہیں ہے جو اوپر سے اوڑھا دیا گیا ہو۔ یہ محض تجرباتی یا سائنسی فکر سے تشکیل نہیں پاتی جو اس کے بدلنے سے یکسر بدل جاتی ہو۔ بلکہ یہ ذہن اس کردار سے اُبھرتا ہے جو مومن کا امتیاز ہے۔ بدقسمتی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ملت اسلامیہ کے فقہاء و علماء کی ذہنی ساخت صرف اس دور کی عکاس ہے، جس میں ان کی زندگی گزری تھی۔ اُن کا علم صرف اس کلام و منطق کی دین ہے جو یونان سے مستعار لیا گیا تھا۔ اور یہ بات بھلا دی جاتی ہے کہ یہ علم اپنی حقیقت کے اعتبار سے دین حق کی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ یہ اللہ کے رنگ میں رنگتے رنگتے ایک عرصے میں ابھرا تھا۔ یہی امتیاز، دورِ حاضر کی تحریک اسلامی کے قائدین کو بھی حاصل رہا ہے۔ اُن کی ذہنی ساخت، ان کا متعین کردہ نصب العین، ان کا طریق کار، ان کی جدوجہد کے سنگہائے میل، سب کچھ دین حق کے انہیں سرچشموں سے سیراب ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان کی زندگی، ان کی مخلصانہ فہم اور تعبیر کی عکاس تھی۔ اور ان کی ذہنی ساخت اصلاً احسن تقویم سے مستعار تھی، جس پر رب العالمین نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو اسے پسند ہے۔

اس ذہنی ساخت کا خمیر جن عناصر سے اٹھایا گیا ہے وہ درج ذیل عقائد، تصورات اور اقدار ہیں:

پہلا تصور یہ ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق و مالک اور پروردگار ہے، جس کی حمد اور جس کی عبادت، حیات انسانی کا مقصد ہے:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ
(الانعام: ۱۰۲)

''یہ ہے تمہارا رب! کوئی خدا اس کے سوا نہیں، ہر چیز کا خالق، لہٰذا تم اسی کی بندگی کرو۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ○ (الذّٰریٰت: ۵۶)

''میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

اس کی اطاعت ہی میں انسان کی فلاح و بہبود مضمر ہے، اس سے بے نیازی ضلالت ہے۔ اس سے سرکشی انسان کو بے محابا خواہشات اور شہوات نفس کا غلام بنا دیتی ہے۔ شاہراہ زندگی کو بھول بھلیوں میں تبدیل کر دیتی ہے:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ (النور: ۵۲)

''اور کامیاب وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، اس سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔

فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝

(المآئدہ: ۱۲)

''اس کے بعد جس نے تم میں سے کفر کی روش اختیار کی تو درحقیقت اس نے سواء السبیل گم کردی۔

اس رب نے انسان کو صرف زندگی کی مادی نعمتوں سے سرفراز نہیں کیا، بلکہ اس کو اپنے فرستادہ بندوں کے ذریعے زندگی گزارنے اور سامانِ حیات کو برتنے کا سلیقہ بھی سکھایا ہے:

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرہ: ۳۸)

''پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔''

دوسرا تصور یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اگرچہ عارضی ہے لیکن یہ کھیل تماشہ نہیں ہے۔ بلکہ آزمائش اور امتحان ہے، جس کے ختم ہونے پر انسان کو جواب دہی کرنا پڑے گی کہ اس نے اس نعمت کو کیسے برتا اور اپنی جسمانی استعداد اور ذہنی قوتوں کو کس مصرف میں لگایا:

تَبٰرَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرُ ۝ الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝ (الملک: ۱، ۲)

''نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے، جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، جس نے موت و زندگی ایجاد کیا تاکہ تم کو آزمائے کہ کون تم سے بہتر عمل کرنے والا ہے۔

اِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ وَّاللّٰهُ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ. (الحدیث)

''یقیناً دنیا بڑی پُر بہار اور لذیذ ہے، اللہ نے تمہیں اس دنیا میں اپنا جانشیں مقرر فرمایا ہے۔ تو اب وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم اس میں رہ کر کیسا عمل کرتے ہو۔

اس نے دنیا کی زندگی کو مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ قرار دے کر آخرت کی فلاح اور بہبود کو غایت منتہیٰ کی حیثیت میں پیش کیا ہے۔ اس کے برخلاف خدا سے بے نیاز لوگوں کا کردار یہ بتایا کہ ان کی سعی و جہد صرف دنیا کی زندگی کو سنوارنے میں گزر جاتی ہے، اور وہ اس میں مست رہتے ہیں:

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۝ (الکھف: ۱۰۴)

''جن کی کوشش دنیا کی زندگی کے سلسلہ میں رائیگاں گئیں اور وہ یہ خیال کرتے رہے کہ وہ بہت اچھا کر رہے ہیں۔''

تیسرا تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل اور رحیم ہے، وہ منصف اور محسن ہے۔ وہ عدل اور احسان کو پسند کرتا ہے اور ظلم کو ناپسند۔ اسی لیے وہ اپنے بندوں کو یہ تلقین کرتا ہے کہ وہ عدل اور احسان کو اپنی کارگاہِ حیات کی اساس بنائیں اور ظلم کا ازالہ کریں:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ؕ

(ال عمران: ۱۸)

''اللہ نے خود شہادت دی کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور سب فرشتے اور اہل علم انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ.

(النسآء: ۱۳۵)

''اے ایمان لانے والو! انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو چاہے اس کی زد تمہاری اپنی ذات، والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔

چوتھی بات یہ ہے کہ سارے انسان اللہ کے بندے ہیں لہٰذا ان کے درمیان مصنوعی دیواریں مت کھڑی کرو، عزت اور اکرام کے لیے صرف خدا کا خوف اور اس کی اطاعت کو معیار بناؤ۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ (الحجرات: ۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور

Marfat.com

برادریاں پیدا کیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ متقی ہو۔

پانچویں بات یہ کہ اس دین کی یہ تعلیم ہے کہ اگرچہ سامانِ زندگی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ زینت ہے لیکن اصل قدر، حسنِ عمل اور اخلاق کو حاصل ہے۔ مسابقت کی اصل مستحق وہ اخلاقی قدریں ہیں اور حسن کردار ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور اس کے تقرب کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ صرف مادی مفادات اور عیش و آرام کو اپنی جدوجہد کی غایت بنا لیتے ہیں وہ حقیقتاً ابدی خسران سے دوچار ہونے والے ہیں۔ انسانی تہذیب کا مقصد عدل و احسان کا قیام ہے، اخلاقی اقدار کو پروان چڑھانا ہے، دیانت اور امانت پر معاملاتِ زندگی استوار کرنا ہے، قلب و نظر کی طہارت ہے۔ ذہن و فکر کی وہ روشنی ہے جو تقویٰ کی طرف رہنمائی کرے اور طاغوت کی تاریکیوں کے پردے چاک کرے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا ○ (الکہف: ۴۶)

''یہ مال اور یہ اولاد محض دنیوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہے۔ اصل میں باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجے کے لحاظ سے بہتر ہیں۔ اور انہیں سے اچھی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ (البقرہ: ۱۷۷)

''بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوۃ دے، اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اُسے وفا کریں، اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق باطل کی جنگ میں صبر کریں۔

Marfat.com

نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا. (ترمذی)

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے صرف اصول اور اخلاقی اقدار ہی نہیں دیے ہیں، جن کی تعبیر اور تشریح پوری طور پر انسان کے حوالے کر دی گئی ہو، جیسا کہ بعض روحانی مذاہب دعویٰ کرتے ہیں بلکہ اُس نے واضح نشانات راہ متعین کر دیے ہیں۔ اپنی کتاب میں اور اپنے آخری رسول کے اسوہ کے ذریعے اخلاق اور معاملات زندگی کی سرحدیں بھی مقرر کر دی ہیں، جن سے تجاوز وہ ناپسند کرتا ہے۔

چھٹا تصور یہ ہے کہ اسلام صرف عبادات کے طریقے نہیں بتاتا بلکہ طرز معاشرت کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ زندگی کے آداب بھی سکھاتا ہے۔ وہ لباس کے حدود بھی مقرر کرتا ہے۔ عریانی اور فحش کو نشان زد کرتا ہے۔ کلام اور بیان کے انداز اور طریقے کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ حسن و جمال کے اظہار کے حدود بھی بتاتا ہے۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا. (البقرہ:۸۳)

''لوگوں سے بھلی بات کہو۔''

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ط

(لقمٰن:۱۸)

''لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل۔''

اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط (النحل:۱۲۵)

''اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلاؤ، حکمت اور اچھی بات سے؛ اور ان سے بحث کرنے کا اچھا طریقہ اختیار کرو۔''

ساتویں بات یہ ہے کہ یہ دین، معاملات زندگی کے اصول بھی بتاتا ہے، قرض کے لین دین سے لے کر تجارت اور کسب معاش کے اخلاقی حدود اور اساسی ضوابط بھی مقرر کرتا ہے۔ وہ قرض دینے والے کو قرض لینے والے کے ساتھ بہتر انداز میں پیش آنے کی تلقین کرتا ہے، اور

Marfat.com

قرض لینے والے کو دیانت کے اصولوں کا پابند بناتا ہے۔ سود کو حرام قرار دیتا ہے۔ خیانت، بددیانتی، دھوکا اور فریب کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ قمار اور جوا کو شیطانی عمل بتاتا ہے۔ زر اور دولت کی بے محابا طلب کو رغبت دنیا کی ہلاکت خیزی سے تعبیر کرتا ہے:

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. (الاعراف:۱۵۷)

''وہ انہیں معروف کا حکم دیتا ہے، منکر سے منع کرتا ہے، طیبات کو ان کے لیے حلال قرار دیتا ہے اور ناپاک و خبیث کو حرام قرار دیتا ہے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ (النسآء:۲۹)

''اے ایمان لانے والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طریقے سے مت کھاؤ، لین دین ہونا چاہیے مگر آپس کی رضامندی سے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (الانفال:۲۷)

''اے ایمان لانے والو! اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں غداری کے مرتکب نہ ہو۔''

اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ (البقرہ:۲۸۲)

''اگر ایک دوسرے کو ایک متعینہ مدت کے لیے قرض دو تو اسے لکھ لیا کرو۔''

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۸۰)

''تمہارا قرض دار اگر تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اس کو مہلت دو، اور جو صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے اور بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔''

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا (التوبہ:۱۰۳)

''اے نبیؐ! ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور نیکی کی راہ میں ان کو بڑھاؤ۔''

Marfat.com

اَلْمَالُ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ. (الحدیث)

''مال وہ ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔''

اس نے مال خرچ کرنے کے آداب بھی بتائے ہیں:

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الاعراف: ۳۱)

''اے بنی آدم! ہر عبادت کے موقعہ پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ. (طٰہٰ: ۸۱)

''کھاؤ ہمارا دیا ہوا پاکیزہ رزق، اور اِسے کھا کر سرکشی مت کرو۔''

اس دین نے پوری تفصیل سے انسانی سماج کے مختلف روابط کے لیے حدود مقرر کیے ہیں، اور اس کے لیے قوانین وضع کیے ہیں۔ ماں باپ بھائی بہن کے حقوق کی تفصیل بتائی ہے، اور فرائض متعین کیے ہیں، وراثت کی تقسیم کا قانون مقرر کیا ہے۔

قرآن کریم نے مرد و عورت کے کردار اور مرتبے کی تعیین کی ہے۔ اس نے مرد اور عورت کو تخلیق کے اعتبار سے ہم مرتبہ قرار دیا ہے، اور وظیفہ حیات کی ہر ایک شکل کے لیے واضح ہدایات دی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ.

(النسآء: ۱)

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دُنیا میں پھیلا دیے۔''

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ. (الروم: ۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔''

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ:۲۲۸)

''عورتوں کے لیے معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔''

ماکولات اور مشروبات اگرچہ اصلاً مباح ہیں لیکن ان میں بھی پاکیزگی کے اعتبار سے حلال وحرام کا فرق کیا ہے۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَارَزَقْنٰكُمْ. (البقرۃ:۱۷۲)

''کھاؤ پاکیزہ رزق میں سے جو ہم نے تمہیں دیا ہے۔''

آٹھویں بات یہ ہے کہ اس دین نے سیاست کے بھی اصول مقرر فرمائے ہیں، قانون سازی کے اختیارات اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لیے مختص کیے ہیں۔ اور انسان کو اس عمومی قانون کے تابع رہ کر قانون سازی کا اختیار عطا فرمایا ہے۔ اس کے نزدیک وہ لوگ جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال کر اور اس کی مرضیات سے بے نیاز ہو کر اجتماعی زندگی کے اصول اور اہداف مقرر کرتے ہیں، وہ دراصل اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کرتے ہیں۔ اور اس طرح ظلم و بدیانتی کو پروان چڑھاتے ہیں۔ کسی صحت مند مقصد حیات کی تلاش میں سرگرداں، ہر ایک گرہ کشا عقل کے دعویٰ پر لبیک کہتے ہیں:

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ط (القصص:۵۰)

''اگر وہ تمہاری بات پر لبیک نہ کہیں تو جان لو کہ وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔''

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝ (الانعام:۵۷)

''فیصلے کا سارا اختیار اللہ کو ہے۔ وہی امر حق بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔''

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النسآء:۶۵)

''نہیں، اے محمدؐ! تمہارے رب کی قسم، یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔''

Marfat.com

ان عقائد، تصورات اور اقدار سے وہ ذہن بنتا ہے جس کو "اسلامی فکر" یا "اسلامی ذہنی ساخت" کہتے ہیں۔ مومن کی زندگی ان کے عشق اور ان سے دائمی وابستگی سے عبارت ہے۔ اس کی حیات کا ہر لمحہ اور اس کی تگ و تاز کی ہر جنبش ان سے سرشار ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے پروردگار کی نظر سے دیکھتا ہے، اس کی فکر سے سوچتا ہے، اس کے رنگ میں اس کا ظاہر و باطن رنگ جاتا ہے اور جب اسے یہ سعادت مل جاتی ہے تو اللہ سبحانہ کارگاہِ حیات میں یہ خوشخبری سناتا ہے کہ:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج (الانفال: ۱۷)

"پس حقیقت یہ ہے کہ اے نبی! تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔"

جب اس ذہنی ساخت کے مطابق وہ اپنی زندگی گزارتا ہے تو وہ دُنیا اور آخرت دونوں میں حیاتِ طیبہ کا مستحق بن جاتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ج (النحل: ۹۷)

"جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ہو مومن، ہم اُسے دُنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں اپنے لوگوں کو ان کے اجر، ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔"

اس ذہنی ساخت کا دوسرا عنصر انسانی زندگی کے تقاضوں کی تکمیل ہے جو دینِ حق کی اتباع اور اس کا نفاذ اسی کارگاہِ حیات میں انجام دیتا ہے۔ لہٰذا یہ دین محض آئیڈیل کی تعیین نہیں کرتا بلکہ وہ بصیرت بھی عطا کرتا ہے، جس کی روشنی میں انسان اپنی ضروریات، تقاضوں اور آرزوؤں کی تکمیل کرتا ہے۔ اس معمورۂ حیات کی آبادی اور اس کی نگہداشت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اس لیے وہ ترکِ دنیا کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اس کے حسنِ استعمال کی ہدایت دیتا ہے۔ اسی مصلحت کے تحت اُس نے انسان کو اصول اور اقدار عطا فرمائے ہیں۔ ان کی بقدرِ ضرورت تفہیم اور تشریح کے لیے نبی اکرم ﷺ کو مامور کیا گیا ہے۔ حوادثِ زمانہ اور تغیرِ احوال کے درمیان ان کی تعبیر اور ان کے انطباق کو اسلامی ذہنی ساخت کے حوالے کر دیا ہے۔ اس نے مقاصد متعین کیے ہیں۔ ان کے انطباق کے لیے اصولی رہنمائی کی ہے لیکن ان کے لیے عملی جدوجہد کو انسان کی عقل و فہم پر چھوڑ دیا ہے۔ اس نے اقدار عطا کیے ہیں تا کہ ان کی روشنی میں فرد اور سماج کی تعمیر اور تشکیل کی جا سکے۔

Marfat.com

اس نے بدلتی اور حرکت پذیر زندگی کے وسائل کے متعلق ایک اخلاقی رویہ متعین کیا ہے، لیکن وسائل کے عملی استعمال اور ان کے حصول کو اس کے ذہنی ساخت پر چھوڑ دیا ہے۔ یہ اس کا غیر معمولی فضل و کرم ہے کہ اس نے جسمانی تقاضوں اور قلبی خواہشات کو یکسر رد کرنے کی تعلیم نہیں دی ہے، نہ اُن کو یکسر حرام ٹھہرایا ہے، بلکہ اس کے برعکس ان کے حسن تکمیل اور متوازن استعمال کے لیے اسلامی ذہن و فکر کی بصیرت کو رہنما بنایا ہے۔ اس نے حلال و حرام کا قانون صرف ضروری حد تک وضع کیا ہے اور اس کی روشنی میں مباحات کا ایک وسیع میدان مومن کی صالح فکر و نظر کے حوالے کر دیا ہے۔

اسلام کے اس رویے کی روشنی میں فقہا نے مقاصد شریعت کا تعین کیا ہے۔ اُن کی جامعیت اور انسانیت دوستی کو دُنیا آج تک نہ پا سکی۔ اسی بصیرت کی روشنی میں قرآن و سنت اور اجماع امت کے بعد عُرف اور استحسان کو اسلامی قانون کے مصادر قرار دیا گیا۔ انسانی ضروریات کی تکمیل کا اس حد تک لحاظ کیا گیا کہ اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْذُوْرَاتِ کا فقہی قاعدہ قرآن و سنت سے مستنبط کیا گیا اور یہ قول رواج پا گیا کہ یَتَغَیَّرُ الْفَتْوٰی بِتَغَیُّرِ الْأَحْوَالِ، یعنی حالات کے بدلنے سے حکم بھی بدل سکتا ہے۔ شدت مجبوری کے تحت قرآنی اضطرار کی تشریح اور توضیح کی گئی۔ قانونی انطباق کیا گیا۔ ان اصولوں کے تحت قرآن و سنت کی ابدی تعلیمات کو حالات زمانہ سے جوڑا گیا۔ یہ محض زبانی جدوجہد نہ تھی بلکہ علماء اور فقہا نے احکام کی تفہیم اور ان کے انطباق میں عملاً ان کو نافذ کیا۔ اس کے اجتہاد پر انحصار کیا اور قیاس کا طریقہ اختیار کیا۔ عرف کو قانون کا ایک ماخذ بنایا اور ضروریات کا لحاظ کیا۔ اس طرح ابدی اور مستقل اصولوں، ہدایات اور اقدار کو حرکی ضابطۂ حیات کی حیثیت عطا کی۔ اگرچہ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہمارے فقہا نے تحفظ شریعت کے نام پر احتیاط میں اتنا غلو کیا کہ اجتہاد کے دروازے بند کر دیے۔ اگرچہ یہ احتیاط اب بھی روایتی حلقوں میں باقی ہے لیکن تحریکات اسلامی کے زیر اثر، اب عام رجحان یہی ہے کہ اجتہاد دین حق کی امتیازی صفت ہے جو اس کو جمود سے بچا کر حرکیت آشنا کرتا ہے۔

اس مختصر جائزے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ متعدد دوسرے مذاہب کے برعکس، اسلام کا حالات زمانہ کے بارے میں عمومی رویہ مثبت ہے، منفی نہیں۔ اس نے رد اور قبول کی

Marfat.com

حکمت عملی کی تعلیم دی ہے، اَلْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمؤمِنْ (حکمت، مومن کی گم شدہ پونجی ہے) کا ارشادگرامی اسی رویے کی تاکید کرتا ہے لیکن دنیوی تغیرات اور وسائل حیات کی روایتوں کو اسلام نے اپنے ابدی اصولوں اور اخلاقی اقدار کے تابع کیا ہے۔ وہ ظروف واحوال کا لحاظ کرتا ہے لیکن ان کو حکم نہیں بتاتا۔ اقامت دین کی تحریک، دُنیا کے بدلتے حالات میں برپا کی گئی تھی۔ اس تحریک نے اپنے پیروکاروں میں یہ داعیہ پیدا کیا تھا کہ تغیر پذیر دُنیا کو وہ راہ دکھائی جائے، جس سے وہ اپنے پروردگار کی مرضیات کے مطابق اور اس کے عطا کردہ مقصد کی روشنی میں اپنا سفر جاری رکھ سکے۔ اس نے اسلام کے اس موقف کو عام کرنے کی جدوجہد کی تھی کہ تغیر اور انقلاب فی نفسہٖ نہ غلط ہے اور نہ طاغوت کا کرشمہ ہے، اس کے برعکس مومن کی ذمے داری ہے کہ اس تغیر احوال کو اطاعت رب کے لیے استعمال کیا جائے۔ احوال کا وہ انقلاب اور وسائل کی ایسی فراوانی جو اخلاقی حدود سے ماورا ہو، کبھی بھی انسانیت عامہ کی فلاح کے ضامن نہیں بن سکتے۔ عصر حاضر کی مصیبتوں اور پریشانیوں کا سبب یہی ہے کہ انسان نے سائنس اور ٹکنالوجی کے بل بوتے پر خود کو ہدایت ربانی سے آزاد سمجھ لیا ہے۔ وہ ان سے صرف تکنیک ہی اخذ نہیں کرتا بلکہ ان سے جواز اور عدم جواز کا فلسفہ بھی اخذ کرتا ہے، زندگی کی غایت بھی ان سے مستنبط کرتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی عقل اور تجربے کو آخری اور فیصلہ کن اہمیت دیتا ہے، اپنے ذاتی مفادات کے حصول کو حکم بناتا ہے۔ مادی عیش و آرام کو فرد اور سماج کی جدوجہد کا مرکز قرار دیتا ہے۔ خدائی ہدایات سے بے نیاز ہو کر اس نے سیکولرازم اور عقلیت پرستی (Rationalism) کا فلسفہ تراشا ہے، جس نے انسان کو حیوان کی سطح پر اتار کر اس کو محض مادی مفادات کا جویا بنا دیا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں عناصر سے مل کر اسلامی ذہن (Mindset) بنتا ہے۔ یہ وہ ذہن ہے، جس میں کلیدی اور فیصلہ کن اہمیت رب کائنات کی ہدایات اور اس کی مرضیات کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تغیرات کے رد و قبول کے عمل میں وہ اخذ و اختیار کے باوجود اپنی حقیقت نہیں بدلتا۔ مگر ہم کو یہ حقیقت نہ بھولنا چاہیے کہ اپنے تاریخی سفر میں ملت اسلامیہ نے ان دونوں عناصر کے متوازی امتزاج کو برقرار رکھنے میں بعض اوقات ٹھوکر بھی کھائی ہے۔ کبھی اس نے دنیا اور اس کے وسائل کو نظر انداز کر کے عقیدہ اور اصول کی تعبیر کی ہے۔ تغیر احوال کو فی نفسہٖ دین داری کے خلاف

Marfat.com

سمجھنے کی روش اختیار کر کے فروعات کو بھی نا قابل تغیر قرار دیا ہے۔ کسی خاص زمانے کی معاشرت کو سینے سے لگا کر رکھنے کو تقویٰ کے ہم معنی سمجھا ہے، اور اس طرح دین حق کے حرکی مزاج کو جمود آشنا بنا دیا ہے۔ اس کے برعکس ایسی بھی کوششیں کی گئی ہیں، جن میں احوال اور ظروف کے دباؤ نے اس ملت کو دین کی اساسیات کو توڑ مروڑ کر انہیں زمانے سے ہم آہنگ بنایا ہے۔ اس دور میں بھی یہی اس جدوجہد کا چلن رہا ہے۔ لہٰذا ان عناصر ترکیبی کے توازن کو برقرار رکھنا ہی ہماری دینی ذمے داری ہے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ صرف اسلامی ذہنی ساخت کی ہی یہ خصوصیت نہیں ہے کہ وہ ایک خاص تہذیب، ثقافت اور ایک واضح نظام اقدار کا عکاس ہے، جب کہ جدید ذہن (Modern Mindset) اخلاق و اقدار، پسند و ناپسند اور اساسی تصورات کے بارے میں غیر جانبدار ہے۔ وہ اوّل تا آخر محض سائنس اور ٹکنالوجی کی حیران کن ترقی کا عکاس ہے۔ پوری انسانی تاریخ میں ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ انسانی ذہن کی کاوش، عمومی رویہ حیات سے بے نیازی رہی ہو۔ بنا بریں اسلامی ذہنی ساخت عصر حاضر کی ذہنی ساخت کو من و عن اختیار نہیں کر سکتی، اور نہ اُس تہذیب کو بے کم و کاست اپنا سکتی ہے جو دور حاضر لے کر آیا ہوا ہے۔ دورِ حاضر کی ذہنی ساخت سیکولر ہے۔ وہ انسان کو خود کفیل سمجھتی ہے۔ اس نے انسانی جدوجہد کی غایت مادی مفادات کا حصول قرار دیا ہے، انسان کو خود غرض (Selfcentred) اور عقل اور خواہشات کا غلام قرار دیا ہے۔ اجتماعی فلاح و خیر کو انفرادی خود غرضی سے اصلاً متصادم بنا کر، اوّل الذکر کے حصول کے لیے قانون کا سہارا لیا ہے۔ اس نے اخلاق کو فرد کی جدوجہد سے خارج قرار دے کر اس کو اوپر سے مسلط کرنے کی کوشش کی ہے، اس ذہنی ساخت کے تحت ظلم، استحصال، بددیانتی اور خیانت، فرد کی زندگی کے عناصر ترکیبی ہیں، ان کی برائیوں کو کم کرنے کے لیے ادارۂ تنظیم اور قانون پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ اس ذہنی ساخت کے مطابق عورت کو گھر سے باہر نکال کر، اُسے معاشی اور سیاسی کردار ادا کرنے کے قابل بنانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ عریانی اور اظہار حسن بھی اس کا حق ہے۔ اس کو اپنی شہوانی خواہشات کو ہر طرح پوری کرنے کا حق ہے۔ رشتہ ازدواج میں ہی نہیں بلکہ اس سے باہر جنسی تعلقات کا قیام بھی اس کا حق ہے۔ اس ذہنی ساخت کی رُو سے ہر

Marfat.com

تکنیک اور ہر طریقہ عمل صحیح ہے جو اپنے نصب العین کے حاصل کرنے میں مدد دیتا ہے۔ جھوٹ اور فریب کی اشاعت اس کا عام وسیلہ ہے۔ حقوق انسانیت کا نام یہ ضرور لیتا ہے لیکن عملاً ان حقوق کو صرف ان کے لیے مختص سمجھتا ہے جو جدید نقطۂ نظر کے حامل ہوں۔ غریب اور کمزور کو وہ حقوق سے محروم قرار دیتا ہے۔ وہ ساری انسانیت کو عدل و انصاف کا درس دیتا ہے لیکن قوم مسلم اُس کو بالکل نہیں بھاتی۔ چناں چہ عملاً اس نے انسانیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام حیات کا یہ ذہن داعی ہے، اور نجی کاری (Privatization) کو تاریخی سفر کی انتہا قرار دیتا ہے۔

ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ ذہنی ساخت (Mindset) کو بدلنے کی کوشش، محض وسائل حیات کے استعمال اور جدید انسانوں کے محرکات اور حیات نو کے تقاضوں کے ادراک کے ہم معنی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے تہذیبی اور ثقافتی پہلو بھی ہیں۔ اخلاق اور اصولی رُخ (Dimensions) بھی ہیں۔ تحریک اسلامی جس ذہنی ساخت کو پیدا کرنا چاہتی تھی، وہ اصلاً اسلامی تعلیمات کی عکاس اور مظہر تھی اور ہے۔ تبدیلی اگر درکار ہے تو یہ کہ جس جمودِ فکر و نظر کو اس نے چیلنج کر کے اسلام کی انقلاب پذیری کی تجدید کی تھی، اس کا شکار خود نہ بن جائے۔ ہم کو جو چیز عزیز ہے، وہ دین حق ہے، نہ کہ زمانے کے پیش نظر اس کی مخصوص تعبیر۔

تحریک اسلامی کے قائدین نے دین حق کے اس موقف کو روشن دلائل سے واضح کیا تھا کہ صرف مقصد اور نصب العین ہی نہیں بلکہ طریق کار کو بھی مرضیات الٰہی کا پابند ہونا چاہیے۔ جب کہ جدید ذہن مقصد کی افادیت کی چوکھٹ پر اخلاق کو قربان کر دیتا ہے، اور عفت و عصمت کے تصورات کو بھی بھینٹ چڑھانے سے احتراز نہیں کرتا اگر اس سے مقصد کی بازیابی ممکن ہو۔ جدید ذہنی ساخت، رنگ و ناچ، شراب اور نسوانی حسن کے اظہار کے علاوہ دیانت داری اور عدل و انصاف کو پامال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ وہ اس امر میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ جھوٹ اور فریب کو پروان چڑھائے، اخلاق اور پاکیزگی کو مادی مفادات کے لیے قربان ہونے دے۔ اسلامی ذہنی ساخت کے خمیر میں خدا پرستی رچی بسی ہے، جب کہ جدید ذہنی ساخت سیکولر فلسفہ زندگی پر انحصار کرتی ہے۔

جدید ذہنی ساخت (Modern Mindset) وسائل اور مادی ذرائع کے استعمال کو

Marfat.com

پہلا اور آخری مقام دیتی ہے۔ اسلامی ذہن اس کی دریافت اور استعمال کو خداوند تعالیٰ کی مرضیات کی بجا آوری سمجھتا ہے۔ تحقیق اور تجربے پر انحصار کو جدید فکر میں اساسیات کا مقام حاصل ہے۔ اسلامی فکر اپنی حقیقت کے اعتبار سے علم وفن، تحقیق اور تجربے کو خالق کائنات کی قدرت، اس کی حکمت کے شعور اور ادراک کے ضروری وسائل سمجھتا ہے۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُاؕ (فاطر: ۲۸)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔''

اسی موقف کا اظہار ہے۔ بنابریں تہذیب جدید کے تمام انکشافات کو رد کر کے محض تقلید پر انحصار کرنا اسلامی فکر کی درست ترجمانی نہیں ہے اور نہ محض انسانی علم و تجربے کو خدا بنانا درست ہے۔

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی ذہنی ساخت کی تشکیل میں رد و قبول کی اِسی حکمت عملی کو اختیار کرنا چاہیے جو اسلامی ذہن وفکر کا شعار رہا ہے۔

Marfat.com

داعی الی اللہ ہر انسانی گروہ سے خیر کا متلاشی ہوتا ہے

دین حق کی اشاعت اور کلمہ توحید کی سربلندی کے لیے سب سے پہلے داعی کو مخاطبین کے تعلق سے اپنا رویہ متعین کرنا چاہیے۔ انبیاء علیہم السلام اور نبی آخر الزماں ﷺ نے اپنے مخاطبین کو کس لہجے اور کس زبان میں دعوت حق کی طرف پکارا تھا، انسانیت عظمیٰ کے تئیں ان کا رویہ کیا تھا، ان میں سے بعض کو سابق انبیاء کی مومن ملتیں ملی تھیں مگر وہ گم کردہ راہ تھیں۔ فسق و فجور میں مبتلا تھیں۔ اس سے آگے بڑھ کر انھوں نے تصور توحید کو خیرباد کہہ کر شرک کی راہ اختیار کر لی تھی۔ ان بزرگ ہستیوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دعوت کا کون سا انداز سکھایا تھا، اور کس زبان اور لہجے میں گفتگو کا سلیقہ سکھایا تھا، خاتم النبیین محمد ﷺ کو براہ راست شرک و جہل میں مبتلا منکرین حق سے واسطہ پڑا تھا اور ایسی ملت سے بھی سابقہ پیش آیا تھا جو حضرت ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ پر ایمان کی دعوے دار تھی۔ آپ ﷺ کی قیادت اور تربیت میں جس جماعت کی تشکیل ہوئی تھی، اس نے آپ کے اسوہ کو کس حد تک اختیار کیا تھا؟

اگر آپ ان سوالوں کا جواب امت مسلمہ کی داعیانہ حیثیت کے پیش نظر حاصل کرنا چاہیں تو قرآن کریم اور سنت رسولؐ سے بآسانی مل جائے گا۔

قرآن کریم سارے انسانوں کو ایک وحدت قرار دے کر مخاطب کرتا ہے۔ اس کے نزدیک تمام انسان ایک ہی آدم اور حوا کی اولاد ہیں۔ ان سب کا خالق، مالک اور پروردگار ایک ہی

Marfat.com

ہے۔ان سب کو اسی رب کے تقویٰ اور اطاعت کی دعوت اس کا منشا ہے۔ وہ یہ واضح کرتا ہے کہ سارے انسان ایک ہی امت تھے، اور ہیں۔ اختلاف اور تفریق کی اصل حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے متعلق متضاد رویے اختیار کیے۔ بعضوں نے ان کا انکار کیا، بعضوں نے خدا بنا لیے اور انہیں بنیادوں پر اپنی زندگی کی راہ عمل تجویز کر لی۔ اور بعضوں نے اس دعوت پر لبیک کہا اور توحید پر اپنی زندگی کی تشکیل اور تعمیر کی۔ اپنی دعوت پیش کرتے وقت انبیاء علیہم السلام نے اس حقیقت کی طرف انسان کو متوجہ کیا۔ ان کو تنبیہ کی کہ اس کو نظر انداز کر کے وہ دنیوی اور اخروی ہلاکت کا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ وہ تمام انسانیت کے دکھ اور درد کا مداوا تھے اور اسی حیثیت سے انہوں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ قرآن کریم کے نزدیک نفس انسانیت لائق تکریم ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ (التین: ۴)

''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل: ۷۰)

''یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی۔''

اس دعوت حق کے تمام انسان یکساں مخاطب ہیں۔ اس لیے کہ وہ سب خدا کے بندے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام بھی اس انسانیت عظمیٰ کے فرد ہیں۔ خدا کے مومن اور منکر بندے، سب اسی سلسلے بشریت کے اجزا ہیں۔ سب کی فلاح اور سب کا خسران، دعوت حق سے متعلق ان کے رویے پر منحصر ہے۔ ان سب کے لیے بشارت اور تنبیہ کا پیغام پہنچانا خدا کے فرستادہ پیغمبروں کا منصب تھا اور یہی منصب اب امت مسلمہ کو منتقل ہوا ہے:

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۝ (ابراھیم: ۱)

''الرٰ۔ یہ ایک (پرنور) کتاب ہے۔ اس کو ہم نے تم پر اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ ان کے پروردگار کے حکم سے، غالب اور قابل تعریف خدا کے راستے کی طرف۔''

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ج اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ (الحج: ۱)

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو۔ بے شک قیامت کا زلزلہ ایک حادثہ عظیم ہے۔''

نبی اکرم ﷺ کا منصب اور فریضہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًاo وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًاo (الاحزاب: ۴۵، ۴۶)

''اے نبیؐ! ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔''

اس بنیادی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے مختصر مگر جامع کلمات میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَo (الانبیاء: ۱۰۷)

''ہم نے تو آپ کو سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

مذکورہ بالا حقیقت کی تاکید قرآن کریم کی مختلف آیات میں کی گئی ہے۔ مثلاً:

یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَاغَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِo الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَo فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَo (الانفطار: ۶-۸)

''اے انسان! تجھ کو اپنے پروردگار کی کرم گستری کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟ جس نے تجھے بنایا، تیرے اعضاء کو ٹھیک ٹھاک کیا اور تیری ساخت کو معتدل رکھا۔ اور جس صورت میں تجھ کو چاہا، جوڑ دیا۔''

ان جیسی متعدد آیات میں دو مہمات امور کی تاکید کی گئی ہے۔

ایک یہ کہ سارے انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اور سب ہی بہ حیثیت انسان ایک جیسے ہیں۔ اپنی فطرت کے اعتبار سے اور اپنی خواہشات، جذبات اور ضروریات کے لحاظ سے ان سب کی فلاح کا راستہ بھی ایک ہے اور ان کا خسران بھی ایک طرز عمل سے وابستہ ہے۔ یہاں تک کہ خود نبی بھی ان سب کی طرح ایک انسان ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ. (الکهف: ۱۱۰)

''آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں۔''

دوسرے یہ کہ یہ سب شفقت اور محبت کے مستحق ہیں، سب ہی کی خیر خواہی مطلوب ہے، سب کی جان و مال اور عزت و آبرو، محترم ہے۔ فرق و امتیاز کی واحد معتبر بنیاد صرف انکار حق ہے یا اس کا اقرار! خدا ترسی ہے یا خدا ناشناسی! لیکن قرآن کریم اس امر کی تاکید کرتا ہے کہ اس

Marfat.com

امتیاز کے باوجود بھی ہر انسان حسن سلوک کا مستحق ہے، اس کے بنیادی انسانی حقوق ہیں۔ اس کی خیر خواہی اور زدادرسی مطلوب ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس لیے تمام انسانوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کنبہ قرار دیا۔ اور اسی بنا پر آپ نے اعلان فرمایا تھا:

اَنَا شهيد اَن العباد كلهم إخوة. (سنن ابو داؤد)

''میں گواہی دیتا ہوں کہ تمام بندے بھائی بھائی ہیں۔''

مذکورہ بالا مثبت رویے کا دوسرا اہم پہلو اس وقت ہمارے سامنے آتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی دعوت کی ابتدا، برأت کے بجائے مخاطبین سے اپنے تعلق کی تاکید سے کی۔ اور یہ اعلان کیا کہ تم ہمارے اپنے لوگ ہو تمہارا اور ہمارا رشتہ ایک ہی قوم سے ہے، اس بنا پر تمہاری فلاح ہمیں عزیز ہے اور تمہاری ہلاکت ہم پر گراں گزرے گی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت کی ابتدا ہی اس طرح فرمائی:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝ قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ لَـكُمۡ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۝ (نوح: ۱، ۲)

''ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ پیشتر اس کے ان پر عذاب الیم نازل ہو۔ اپنی قوم کو تنبیہ کر دو۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! میں تم کو کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں۔''

ہودؑ کے تعلق کو قرآن نے اس طرح واضح کیا کہ آپ انہیں کے بھائی بند تھے اور آپ نے انہیں اس طرح خطاب کیا کہ ان سے برادرانہ تعلق موکد کیا جائے:

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا مُفۡتَرُوۡنَ ۝ (هود: ۵۰)

''اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: میری قوم! خدا ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تم (شرک کر کے) خدا پر محض بہتان باندھتے ہو۔''

حضرت صالحؑ کی دعوت بھی اسی تعلق کے اظہار سے شروع ہوتی ہے:

وَاِلٰى ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ (هود: ۶۱)

''اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! خدا ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔''

حضرت لوطؑ نے دعوت حق پر ایک لمبا عرصہ گزر جانے کے بعد اپنے فاسق اور فاجر مخاطبین کو ان کے قبیح فعل پر تنبیہ کرتے وقت بھی اس تعلق کو فراموش نہیں فرمایا:

وَجَآءَهٗ قَوۡمُهٗ يُهۡرَعُوۡنَ اِلَيۡهِ ؕ وَمِنۡ قَبۡلُ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ هٰٓؤُلَاۤءِ بَنَاتِىۡ هُنَّ اَطۡهَرُ لَـكُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ فِىۡ ضَيۡفِىۡ ؕ (هود: ۷۸)

''اور لوط کی قوم کے لوگ ان کے پاس بے تحاشہ دوڑتے ہوئے آئے۔ اور یہ لوگ پہلے ہی سے فعل شنیع کیا کرتے تھے۔ (لوطؑ نے) کہا اے میری قوم! یہ جو میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں، یہ تمہارے لیے (جائز اور) پاکیزہ تر ہیں۔ تو خدا سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو۔''

سورہ شعراء میں متعدد انبیاء کے متعلق قرآن کریم نے حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب علیہم السلام کا طرز خطاب نہیں اختیار فرمایا ہے، لیکن یہ تاکید کی ہے کہ ان تمام بزرگ ہستیوں کا ابتدائی تعلق اپنے مخاطبین سے یہی تھا کہ وہ ان کے ہم قوم تھے۔ اس انداز خطاب کا ذکر کر کے قرآن کریم نے اول تو یہ واضح کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے ابتدائے دعوت میں مخاطبین دعوت سے علیحدگی اور برأت کا برملا اظہار کرنے کے بجائے اس امر کی تاکید کی ہے کہ وہ اجنبی نہیں ہیں۔ اس لیے ان کے درمیان فلاح و خسران اور نفع و ضرر کے مقاصد مشترک ہیں۔ اس لیے وہ ان کے خیر خواہ ہیں۔ ثانیاً، ہر زمانے کی داعی جماعت پر یہ واضح کیا ہے کہ لوگوں کو الگ کاٹ کر اور ان سے نفور کی راہیں تلاش کرنے کے بجائے ان سے تقریب فہم کے ذرائع تلاش کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں چند امور توجہ طلب ہیں۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ ان گزارشات کو صحیح طور پر نہ سمجھا جا سکے گا۔

قرآن کریم میں قوم کا لفظ اس کے اصل اور قدرتی مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ غالباً اس معنی میں یہ لفظ انیسویں اور بیسویں صدی کے علم سیاست اور اس کے فلسفے سے قبل استعمال کیا جاتا تھا۔ نیشن اور نیشنلزم کا جدید تصور، سیکولرزدہ فلسفہ اور سیاسیات کی ایجاد تھا، جس کی

تعریف اس طرح کی گئی کہ جغرافیائی حدود کے علاوہ سیاسی مفادات، مقاصد اور اقدار کی یکسانیت بطور اساسی عناصر کے شامل کر لیے گئے۔ چناں چہ عصرِ حاضر کی ابتدا میں اس پر زور دیا گیا کہ قوم صرف خاندان اور قبیلہ یا جغرافیائی وحدت سے تشکیل نہیں پاتی ہے، بلکہ سیاسی اور معاشی مفادات اور تہذیبی وحدت سے قومیت اور قوم پرستی وجود میں آتی ہے۔ غالباً اس فلسفہ سیاسیات کے پیشِ نظر مذہبی اور دینی وحدت کو توڑ کر دنیوی اقدار اور مفادات کو نیشن کی بنیاد بنانا تھا۔ قوم پرستی اس فلسفے کی پیداوار تھی، جس کی رو سے ہر وہ چیز جائز تھی جو قوم کے مادی مفادات کے تابع تھی۔ دنیا کی تقسیم قوموں کی بنیاد پر کی گئی اور غیر قوم کو زک دینا اس قوم پرستی کا مقصد قرار پایا۔ جب نیشن کا یہ مغربی فلسفہ مشرق اور ہندستان جیسے ممالک میں آیا تو لفظ ''قوم'' سے اس کا ترجمہ کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ انسانی وحدت کی حقیقی اور صحیح بنیاد، سارے انسانوں کا ایک خدا کی مخلوق ہونا تھی، نہ کہ مصنوعی تفریق۔ اس بنا پر دینِ حق کو یہ گوارا نہ تھا کہ قوم اور قوم پرستی کے اس فلسفے کی تائید کی جاسکے۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام کا یہ اندازِ تخاطب جس کا مذکورہ بالا آیات میں حوالہ دیا گیا ہے، اس فلسفے کی نہ صرف یہ کہ تائید نہیں کرتا بلکہ اس کو رد کرتا ہے تاکہ داعی اپنے ملک کے باشندوں سے اپنے حقیقی اور فطری تعلق کو اپنی دعوت کی بنیاد بنائے۔ اور یہ واضح کرے کہ اس فطری رشتے کی وجہ سے ان کی اور مخاطبین کی انفرادی اور اجتماعی فلاح اور خسران ایک ہی نظریہ زندگی سے وابستہ ہے۔ وہ گروہوں اور طبقات، ذاتوں اور قبیلوں کی فلاح کا داعی نہیں ہے بلکہ اپنے تمام مخاطبین کا ہمدرد، بہی خواہ اور ناصح ہے۔ اور جس پروردگار کی عبادت کی وہ دعوت دیتا ہے، وہ کسی قبیلے، خاندان اور ذات پات کا پروردگار نہیں ہے، بلکہ سب کا پروردگار، مالک اور معبود ہے۔ چناں چہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اس موقف کو مبرہن کیا اور اس کی تاکید کی۔

چناں چہ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝ (الاعراف: ۶۷، ۶۸)

''انہوں نے فرمایا کہ میری قوم! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ میں تمہیں خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانت دار اور خیر خواہ ہوں۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی فرمایا:

Marfat.com

اُبَلِّغُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَکُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ٥ (الاعراف: ۶۲)

''میں تمہیں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھ کو خدا کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو نہیں معلوم۔''

قرآن کریم یہ بھی واضح کرتا ہے کہ اس فطری رشتے اور تعلق خاطر کا تقاضا یہ تھا کہ اپنے زمانے کے ہر نبی نے اپنی قوم کو اس تباہی اور ہلاکت سے خبردار کیا جو ان کی دعوت کے افکار پر ان کا مقدر بن چکی تھی۔ ان کی بشارت جس طرح مخاطبین اور خود نبی کے لیے مسرت کا پیغام ہے، اسی طرح ان کا انداز بھی ان کے لیے غم کا باعث اور منکرین کے لیے تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ یہ دونوں خلوص اور خیر خواہی کا نتیجہ ہیں۔

اسی مثبت رویے کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام نے اپنے مخاطبین سے اختلاط اور ملنے جلنے سے اس وقت تک احتراز نہ کیا جب تک کہ ان کی قوم نے شورش اور عناد پر اصرار کی روش اختیار نہ کرلی۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ عام معاشرتی تعلقات برقرار رکھے بلکہ ان تعلقات کے ذریعے افراد اور گروہوں کو دین حق کا پیغام پہنچاتے رہے۔ ان تعلقات کے دوران انہوں نے اپنے مقصد حیات میں کبھی کتمان حق سے کام نہیں لیا بلکہ اس امر کا اہتمام کرتے رہے کہ جن اصولوں اور جن اقدار کے وہ علم بردار تھے، ان پر آنچ نہ آنے پائے۔ بلکہ ان کے معاشرتی تعلقات کے ہر پہلو سے ان اقدار کی تاکید ہوتی رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے مظلوم کی اس طرح مدد فرمائی کہ ظلم کا ازالہ ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی کا حق دلوانے کے لیے ابوجہل جیسے دشمن سے ملاقات کی اور اس کا حق دلوایا۔ آپ نے اپنے دشمن کے گھر میں دعوت طعام بھی قبول فرمائی۔ اسی کوشش کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ نے ایک حج کے موقعے پر مختلف قبائل کے خیموں میں جا کر دعوت حق کے مشن کو جاری رکھنے کے لیے ان سے حمایت کی اپیل کی۔ ان واقعات سے ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہوں گے کہ مدعو قوم سے روابط قائم رکھنا اور اس سے عام انسانی ضروریات کے لیے عملی اقدام کرنا نہ صرف فطری طرز عمل ہے بلکہ دعوت حق کی حکمت عملی کا اہم رخ ہے۔ طاغوت اور نظام باطل سے عدم تعاون کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ عام انسانی روابط اور معاشرتی تعلقات سے گریز کیا جائے۔ اس طرح کا گریز، اسلام

Marfat.com

کی بنیادی اخلاقی تعلیمات کے منافی ہے۔ اس کے علاوہ گریز کے نتیجے میں وہ مواقع مسدود ہو جاتے ہیں، جن سے پیغام حق پہنچانے کی راہیں کھلتی ہیں۔ سماجی بُعد، نفور کو جنم دیتا ہے۔ قرابت اور حسن تعلق، ذہن وقلب میں قبولیت کی راہ بناتے ہیں۔ بدقسمتی سے اکثر دین دار مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ نفس دین داری کا تحفظ اصل قدر ہے۔ غیروں سے سماجی روابط سے یہ چیز متاثر ہوتی ہے، بلکہ بسا اوقات غیروں سے میل جول اس کو زنگ آلود کر دیتا ہے۔ غالباً اس گمان کا سبب یہ ہے کہ ظاہری ثقافتی اور تہذیب شعائر اور حقیقی دین داری میں ہم فرق نہیں کرتے۔ اگر غیروں سے ملنے سے ہمارا روایتی لباس متاثر ہو جاتا ہے، اور ہمارے دستر خوان کے مینو (Menu) میں فرق آتا ہے، اور ہماری خالص اور نکھری زبان گڈمڈ ہو جاتی ہے تو ہم غیریت اور بُعد کو اسلام کی تعلیم کی پیروی سمجھنے لگتے ہیں، حالاں کہ دین حق یہ چاہتا ہے کہ اسے گھر گھر پہنچایا جائے، ہر تہذیب اور ہر معاشرت کو اس سے روشناس کیا جائے، ہر اجتماعی ضرورت کو اس کی اقدار کے اتباع کا سلیقہ سکھایا جائے۔ کیا یہ مقاصد، دوری اختیار کرنے سے حاصل ہو سکتے ہیں؟

کیا سماجی علیٰحدگی اس راستے کو آسان بنا سکتی ہے؟

داعی اس یقین سے اپنی جدوجہد کی ابتدا کرتا ہے کہ خیر کے عناصر ہر جگہ ملتے ہیں۔ قبولیت حق کی صلاحیت کسی خاص گروہ انسانی تک محدود نہیں ہے، خدا ناشناس قوم بھی پروردگار عالم کی مخلوق ہے، اس مخلوق کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ وہ سرتاپا شر ہے، اللہ تعالیٰ کے حسن تخلیقیت کا انکار ہے۔ اور اگر یہ گمان صحیح ہے تو دعوت سعی لاحاصل ہے۔ اگر خیر صرف روایتی مسلمانوں کا ورثہ ہے، اگر نیکی اور بھلائی صرف ان کی شرست ہے، چاہے وہ اس کی جدوجہد سے بے نیاز ہی کیوں نہ ہوں، تو دعوت حق خاص کر غیر مسلم اکثریت کے ملک میں صرف مایوسی سے دوچار ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک ہی شرست پر پیدا کیا ہے، ان کو نیکی اور بدی کا فطری اور الہامی شعور عطا کیا ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَاۙ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَاۙ۝ (الشمس:۷،۸)

”اور نفس انسانی کی، اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔“

اس نے اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعے انہیں قطعی علم سے بہرہ ور کیا ہے۔ لیکن عملی

زندگی میں نیکی صرف انسان کے عزم وارادے اور جدوجہد سے حاصل ہوتی ہے، کسی خاندانی سلسلے یا کسی نسل اور زبان سے اس کا غیر منفک تعلق نہیں ہے۔

بنا بریں داعی خیر کا متلاشی ہوتا ہے۔ وہ سعید روحوں اور صالح جذبات کو تمام انسانوں میں ڈھونڈتا ہے۔ اور اس یقین کے ساتھ ڈھونڈھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے گم کردہ راہ بندے، خیر سے ناواقف ہو سکتے ہیں لیکن ان کی جستجو میں شعوری یا غیر شعوری طور پر مبتلا رہتے ہیں۔ ان جواہر ریزوں کو جمع کرنا اور ان زنگ آلود طبائع کو صیقل کرنا اس کا مشن ہے۔ یہی حقیقت ہے جس کی غماز، نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد تھا:

خیار کم فی الجاهلیة خیار کم فی الاسلام.

"جاہلیت میں جو لوگ بہتر تھے، وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں۔"

اور اس کا اظہار آپ کی اس دعا سے بھی ہوا تھا کہ خدایا! عمرؓ یا ابو جہل میں سے کسی ایک کے ذریعے دین حق کو تقویت پہنچا۔ چناں چہ یہ دعا، حضرت عمرؓ کے قبول اسلام سے پوری ہوئی۔

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں:

الکفر ملة واحدة.

"یعنی دنیا کے تمام کافر ایک ہی فکر و ذہن اور سرشت والے لوگ ہیں۔"

اس جیسے ارشاد نبویؐ اور دعائے قنوت جیسی دعاؤں سے بہ ظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ کفار اور مشرکین سرتا پا شر ہیں۔ ان میں خیر کا کوئی جزو بھی باقی نہیں ہے، حالاں کہ الکفر ملة واحدة جیسی اظہار حقیقت سے نہ یہ بات ثابت ہوتی ہے اور نہ دعائے قنوت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا کے منکرین کے اندر سے خیر سلب کر لیا گیا ہے اور یہ سب کے سب تباہی اور بربادی کے مستحق ہیں۔ الکفر ملة واحدة تو صرف اس بنیادی حقیقت کا اظہار ہے کہ کفر کی متنوع شکلوں اور متعدد جماعتوں سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ اس لیے کہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے نفس کفر صرف ایک ہے، چاہے وہ ظاہر میں کچھ بھی نظر آئے۔ دور حاضر میں وہ کمیونزم ہو یا مادہ پرست سرمایہ داری، فاشزم ہو یا کیسریا رنگ۔ اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ ان نظریات کے علمبرداروں میں خیر پسند یا خیر کے جویا ناپید ہیں۔ اور ان پر:

صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَۙ ۝ (البقرہ ۲:۱۸)

Marfat.com

''یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، یہ اپنی روش سے باز آنے والے نہیں۔''

کا بیان صادق آتا ہے، اگر ایسا ہوتا تو نبی اکرم ﷺ طائف کے شورش زدہ عناصر کے متعلق پہاڑ کے فرشتے سے یہ نہ کہتے کہ ''اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو مجھے امید ہے کہ ان کی آل و اولاد ایمان لائے گی۔'' اسی طرح دعائے قنوت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ دعا ہر مخالف گروہ کی تباہی و بربادی کو جائز سمجھتی ہے، صحیح نہیں ہے، یہ دعا ان گروہوں کے لیے تھی، جن پر اتمام حجت ہو چکا تھا اور صرف ہٹ دھرمی قبولیت حق کی راہ میں حائل تھی۔ اس سے یہ مفہوم ہرگز متبادر نہیں ہوتا کہ کفر و شرک میں مبتلا گروہ انسانی سے استعداد خیر یکسر سلب کر لی گئی ہے، اس لیے ان میں خیر کی تلاش بے فائدہ ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہایت اہم ہے کہ:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۖ
(المآئدۃ: ۲)

''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو، اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مددگار نہ بنو۔''

اس آیت کے ذریعے اس بات کا شعور پیدا کیا گیا ہے کہ نیکی کے کام اگر غیر کرتے ہیں تو اس میں تعاون کرنا چاہیے۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ غیر بھی ایسے جزوی خیر پر عامل ہو سکتے ہیں، جن میں تعاون مطلوب اور محمود ہے اور اللہ تعالیٰ نے عیسائی گروہ کے بارے میں یہ اظہار فرما کر، ان کی صفات خیر کی تحسین فرمائی ہے:

وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ (الحدید: ۲۷)

''ہم نے ان کے دلوں میں شفقت و رحمت کے جذبات پیدا کر دیے۔''

اس مختصر گفتگو سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ داعی کو اپنی مخاطب قوم کے بارے میں یہ رویہ اختیار کرنا چاہیے کہ خیر کے عناصر ہر جگہ پائے جاتے ہیں خواہ وہ خدا ناشناسی اور دنیا پرستی کی وجہ سے مدھم پڑ گئے ہوں۔ قرآن کریم نے رسول اکرم ﷺ کو اسی لیے یہ تاکید فرمائی تھی:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ (المدثر: ٦)

''ان پر احسان نہ جتاؤ کہ تم نے انہیں خدا کی کبریائی کی طرف بلایا ہے۔''

ان میں بنیادی طور پر یہ عنصر موجود ہے، اس پر ان کو متنبہ کرنے کی ضرورت ہے اور یہی آپ کا مشن ہے۔

Marfat.com

روحانیت طلبی اور تعمیر دنیا کا حسین امتزاج

اسلام کی کشش کا باعث اس کا اپنا حیرت انگیز نظام عدل وتوازن ہے۔ مگر عام طور پر اس کے اس بے نظیر وصف کی تشریح ایک محدود معنی میں کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے ''یہ معاشرتی تعلقات میں عدل وانصاف کا داعی ہے اور مال ودولت کی منصفانہ تقسیم کا علم بردار ہے۔'' جب کہ حقیقت اس سے کہیں زیادہ وسیع اور بامعنی ہے۔ قدرت الٰہی نے انسانوں کے اندر متضاد رجحانات رکھے ہیں، جس کی وجہ سے وہ کبھی ایک طرف جھک جاتا ہے اور کبھی دوسری طرف! افراط اور تفریط سے اس کی تاریخ مرتب ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی اس نے اپنی عقل اور تجربے سے اپنے لیے نظام زندگی وضع کیا ہے تو اس میں ان متضاد رجحانات کے درمیان توازن نہیں قائم کرسکا ہے۔ اس عدم توازن نے اس کے انفرادی اور اجتماعی کردار میں فساد برپا کیا ہے۔ جب وہ ایک راہ پر چل پڑتا ہے تو طبیعت انسانی کے دوسرے تقاضوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ لہٰذا اُس کا ارتقا بھی غیر متوازن ہوتا ہے اور اس کی تعمیری جدوجہد بھی یک رخی ہو جاتی ہے۔ وہ حیات انسانی کی مادی لذتوں کا کبھی اتنا رسیا ہو جاتا ہے کہ اسے اپنی طبیعت کے روحانی تقاضے یاد نہیں آتے۔ لہٰذا اس کو وہ سکون اور طمانیت نصیب نہیں ہوتا، جس کے لیے وہ اپنے شب وروز آسائشوں کے حصول میں صرف کرتا ہے۔ کبھی اس پر فرد کی اہمیت اس طرح طاری ہو جاتی ہے کہ وہ اجتماعیت کے مطالبات بھول جاتا ہے۔ کبھی اسے حقوق کا جنون لاحق ہو جاتا ہے تو وہ فرائض کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ کبھی اسے صرف اصول پسندی کا شوق ہو جاتا ہے تو وہ اس پر اتنی سختی سے جم جاتا ہے کہ ہر تغیر سے ٹکرا جاتا ہے۔ اسی افراط وتفریط کے دوران وہ اپنا سفر طے کرتا جاتا ہے۔

اسلام نے عدل واعتدال اور توازن وتناسب کا حیرت انگیز اہتمام کیا ہے۔ یہ اہتمام

Marfat.com

صرف عمومی اور اصولی نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہے۔ فکر ونظر سے لے کر عملی سرگرمی تک اس کا دائرہ وسیع ہے۔ سیاست اور معاش سے لے کر انسان کی عائلی زندگی تک جتنے بھی متضاد رجحانات پائے جاسکتے ہیں، ان کے درمیان وہ ایسا توازن اور ہم آہنگی قائم کرتا ہے، جس سے بہتر نقشہ کار کا تصور بھی محال ہے۔ اس دین کی اس غیر معمولی صفت کا اندازہ کرنے میں دین ودھرم کا مبالغہ آمیز اور یک رخا تصور رکھنے والے لوگ اکثر دھوکا کھاتے رہے ہیں۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ یہ کیسا دین ہے اور کیسی روحانیت ہے جو سیاست ومعاش کو برتنے کا قانون بھی دیتی ہے اور ازدواجی تعلقات کو سدھارنے کی تدبیر بھی بتاتی ہے، جو ترک لذات کے بجائے ان سے حظ اٹھانے کی قدریں متعین کرتی ہے؛ جو امن وشانتی کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی جنگ کو بھی دینی ضرورت قرار دیتی ہے، جو کسر وانکسار، تواضع اور خاکساری کو دھرم کا حقیقی اور واحد غایت نہیں قرار دیتی بلکہ سربلندی، عزت نفس اور خودداری جیسی صفات کو بھی پروان چڑھاتی ہے، جو مٹنے اور مٹ جانے کو نہیں بلکہ قائم ہونے اور قائم کرنے کو مومن کے حقیقی کردار کے طور پر پیش کرتی ہے۔ اس کے برعکس دنیادار اور مادہ پرست لوگ اس پر چیں بہ جبیں ہوتے ہیں کہ یہ دین خانقاہ اور گپھا سے نکل کر خالص دنیوی معاملات میں دخل انداز ہوتا ہے۔ یہ عقل اور سائنس کو آزاد نہیں چھوڑتا کہ وہ نفع ونقصان کا میزانیہ تیار کریں اور مصلحتوں کا تعین کریں بلکہ ان پر اخلاقی قیود عائد کرتا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں قسم کے اعتراضات، دین حق کی حقیقت اور اس کی غرض وغایت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہیں۔ یہ دین (اسلام) دنیا کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے آیا ہے، اس کو شیطانی قوتوں کے حوالے کرنے کے لیے نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر بھیجا ہے۔ وہ اس معمورۂ حیات کے حسن وجمال کو پسند فرماتا ہے، اس کی تخریب اسے پسند نہیں ہے۔ ترک لذات، ترک دنیا اور ترک عقبیٰ جیسی خرافات انسان کی اُعجوبہ پسند فطرت نے خود ایجاد کی ہے۔ یہ دین اصلاح چاہتا ہے۔ چناں چہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ (الاعراف: ۸۵)

”تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے صاف رہنمائی آ گئی ہے۔ لہٰذا وزن اور

Marfat.com

پیمانے پورے کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو۔ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اس میں تمہاری بھلائی ہے اگر تم واقعی مومن ہو۔"

قرآن کریم نے اس ہدایت کے نازل کرنے کی غایت "اقامت عدل و قسط" قرار دیا ہے، اور مومن بندوں کو یہی حکم دیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ. (النسآء:۱۳۵)

"اے ایمان لانے والو! انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو۔"

اس دین کے نازل کرنے والے کو اس حقیقت کا بخوبی علم ہے کہ انسان کے کردار اور اس کی شخصیت میں کن متضاد رجحانات کو رکھ دیا گیا ہے، جس میں سے ہر ایک رجحان اسے ایک سمت کھینچنا چاہتا ہے۔ اس میں سے کوئی بھی جذبہ یا رجحان فی نفسہ نہ غلط ہے اور نہ خالص شر۔ اس لیے ان سب کا اس طرح اعتبار کرنا کہ وہ ایک دوسرے کو تقویت پہنچائیں، افراط اور تفریط کا ازالہ کریں کہ ایک متوازن شخصیت ابھر سکے یہی اس دین کا امتیاز ہے۔ توازن کا یہ منصوبہ صرف اللہ تعالیٰ ہی مرتب کر سکتا ہے اس لیے کہ اس کو انسان کی نفسیات کا بخوبی علم بھی ہے اور اس کی ضرورت کا ادراک بھی وہی کر سکتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۝ (قٓ:۱۶)

"ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں۔ ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔"

انسان کی ضروریات کا بھی اس کو قطعی علم ہے۔ اس نے یہ دنیا الل ٹپ نہیں بنائی ہے بلکہ بہترین اندازے اور حساب کے مطابق بنائی ہے۔ اس کے لیے اس نے وسائل بھی فراہم کیے ہیں اور عقل و فہم بھی:

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا۝ (الفرقان:۲)

"اس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے، جس نے ہر چیز پیدا کی اور اس کا اندازہ مقرر کیا۔"

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا سے شدید رغبت بھی انسانی فطرت کو ودیعت کی ہے اور اس سے نفور کے جذبے کو بھی اس کی سرشت میں رکھ دیا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ. (آل عمران: ۱۴)

"لوگوں کے لیے مرغوبات نفس ـــــ عورتیں اور اولاد ہیں۔"

اسی کے ساتھ اس کے اندر دنیا سے فرار کا داعیہ بھی اتنا شدید ہے کہ انسان نے رہبانیت کے طرح طرح کے نسخے ایجاد کر لیے۔ ان متضاد جذبات اور رجحانات اور ہر نوع کی ضرورت کا مناسب اور متوازن لحاظ رکھنا صرف پروردگار عالم کے لیے ہی ممکن ہے۔ اسی لیے اسلام کی تعلیمات اس حیرت انگیز نظام عدل کی مظہر ہیں۔ اسلام کی اس خصوصیت نے اس دین کو انسان کی ایسی ضرورت بنا دیا ہے، جس سے صرف نظر یا تو تعصب کی بنا پر کیا جا سکتا ہے یا عدم واقفیت اور جہالت کے سبب سے۔ عصر حاضر اس سے ناواقف ضرور ہے لیکن ساتھ ہی غیر شعوری طور پر اس کا متلاشی بھی ہے۔ وہ عدم توازن اور یک رخی زندگی سے تنگ ہے۔ ایک متبادل کی جستجو میں وہ سرگرداں ہے۔ اگر اس کو اس دین کی حقیقت سے واقف کرا دیا جائے تو عین ممکن ہے کہ وہ اس نسخۂ شفا کو اختیار بھی کر لے۔ اسلام کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں، وہ صرف تعصب اور حمیت جاہلیت ہی نہیں ہے بلکہ ناواقفیت کی گہری تاریکیاں بھی ہیں۔ ملت اسلامیہ کی افسوسناک نا اہلی بھی ہے۔ اس کی بے بصیرتی اور غفلت بھی ہے۔ اسلام کے اس وصف کا ایک مختصر خاکہ درج ذیل سطروں میں پیش کیا جا رہا ہے۔

طلب دنیا اور روحانیت

اس دین کا سب سے اہم وصف یہ ہے کہ اس نے روحانیت اور دنیا کی طلب کو ایک دوسرے سے متضاد اور متغایر بنا کر نہیں پیش کیا ہے، بلکہ دونوں کا ایک متوازن امتزاج ترتیب دیا ہے۔ اس دین میں انسان کی روحانی پیاس کو بجھانے کا وافر سامان موجود ہے۔ اس نے ایک ایسے خدا کا تصور پیش کیا ہے جو انسان کو نفس کی بھول بھلیوں سے نکال کر اسے صاف اور سیدھی شاہراہ پر گامزن کرتا ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ (النحل: ۹)

"اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ بتانا جبکہ ٹیڑھے راستے بھی موجود ہیں۔"

Marfat.com

وہ کائنات کی روشنی ہے جو دلوں کو ٹھنڈک پہنچاتی ہے:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (النور:۳۵)

''اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔''

وہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے:

وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (البقرہ:۱۹۵)

''احسان کی روش اختیار کرو، اللہ بے شک محسنوں، نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔''

اسے ایسے بندے پسند ہیں جو اس سے مانگتے ہیں اور اس کے سامنے حاجت روائی کے لیے حاضر رہتے ہیں:

وَ یَدْعُوْنَنَا رَغَباً وَّرَھَبًا ؕ وَ کَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ۝ (الانبیاء:۹۰)

''یہ لوگ ہمیں رغبت اور شوق سے پکارتے تھے اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔''

وہ اپنے بندے سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہے:

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۝ (ق:۱۶)

''ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

وہ ہر جگہ اس کے ساتھ رہتا ہے، تنہائی میں بھی اور انجمن میں بھی۔ مشکل کے لمحات میں بھی اور آسانی کی ساعتوں میں بھی۔ وہ اپنے ذکر کو تزکیہ قلب اور روحانی رفعتوں کے مدارج قرار دیتا ہے:

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ؕ (الزمر:۲۳)

''اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، جس کے مضامین ہم رنگ ہیں، بار بار دہرائے گئے ہیں۔ اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کے جسم اور دل نرم ہو کر اللہ کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔''

اس نے روحانی رفعتوں کا وعدہ اپنے آخری نبی ﷺ سے فرمایا اور آپ کی وساطت سے مومن بندوں سے بھی یہ وعدہ کیا:

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (بنیٓ اسرآئیل:۷۹)

''بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کر دے۔''

Marfat.com

بندہ جب اپنے مالک کی طرف جادۂ پیما ہوتا ہے تو وہ خود اپنے بندے کی طرف پیش قدمی کرتا ہے:

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِیْ؛ وَ اِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ، وَ اِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٌ مِّنْهُمْ؛ وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا، وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا، وَ اِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ، اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً. (حدیث قدسی، بخاری، کتاب التوحید، بروایت ابوہریرہ)

"میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ وہ جب بھی مجھے یاد کرتا ہے، میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد رکھتا ہوں، اور اگر وہ میرا ذکر کسی مجلس میں کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر خیر کرتا ہوں، اگر وہ میری طرف ایک بالشت لپک کر آتا ہے تو میں اس کی طرف ایک گز بڑھتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف ایک گز بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف دو گز بڑھتا ہوں، اور اگر وہ میری جانب چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف تیزی سے لپک کر آتا ہوں۔"

یہاں تک کہ اس کے سمع و بصر مالک کائنات سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ یہ خدا عزیز اور مقتدر ہے، وہ متکبر اور باغی کو پکڑ سکتا ہے، اس کی پکڑ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ ہے:

كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (القمر: ۴۲)

"آخر کو ہم نے انہیں پکڑا جس طرح کوئی زبردست قوت والا پکڑتا ہے۔"

لیکن وہ اس کے باوصف سراسر رحمت ہے، رحمان اور رحیم ہے:

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ (الاعراف: ۱۵۶)

"میری رحمت ہر شئے کو محیط ہے۔"

اس کے فضل بے پایاں سے انسان ہر وقت مستفید ہوتا ہے۔ اس کی روح کو اس رحمت سے سرشاری ملتی ہے اور اس کے رحم و کرم سے بالیدگی عطا ہوتی ہے۔

اسلامی تصور روحانیت کا اہم ترین امتیاز یہ ہے کہ وہ بندے کو خطاؤں اور لغزشوں سے ماورا کسی عالم ملکوتی پر فائز دیکھنا نہیں چاہتا بلکہ وہ اس کو ہر قدم پر لڑکھڑا کر پھر کھڑا ہونے کا سبق سکھاتا ہے۔ خداوند کریم توّاب ہے اور وہ اپنے بندوں کو توّاب ہی دیکھنا چاہتا ہے۔ افتادگی اور

پھر ہر افتادگی کے بعد سربلندی مومن بندے کی سرشت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کس کمال رحمت سے اپنے بندوں کو مخاطب کیا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (الزمر: ۵۳)

"اے نبیؐ! کہہ دو کہ میرے بندو، جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ؛ وہ تو غفور رحیم ہے۔"

اسلام کی عطا کردہ روحانیت عجیب و غریب افکار و عمل کا گورکھ دھندا نہیں ہے بلکہ سادہ اور سیدھی شاہراہ ہے، جس پر سفر کرنا ہر شخص کے لیے آسان ہے۔ جس کے تصورات کا فہم بھی آسان ہے اور جس کا اختیار کرنا بھی آسان ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر: ۱۷)

"ہم نے قرآن کو ذکر کے لیے آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی ذکر کرنے والا؟"

عام تصور روحانیت کے برعکس اسلام کی روحانیت انسان کی دنیوی زندگی کی نفی نہیں کرتی اور نہ دنیوی زندگی کی لذتوں اور برکات سے فرار کو تزکیہ کی شرط بتاتی ہے۔ اس کے برعکس وہ اس دنیا کی آراستگی اور تعمیر کو دین داری کا جزو قرار دیتی ہے۔ اس کے نزدیک انسان کی آزمایش دنیا کے اعمال اور جدوجہد میں ہے، اس سے دست کشی میں نہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ (القصص: ۷۷)

"جو مال اللہ تعالیٰ نے تجھے دیا ہے، اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر۔ اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔ احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور زمین میں فساد نہ برپا کر۔"

قرآن نے روحانیت کے اسی زعم کی تردید کی ہے کہ آرایش دنیا سے فرار اصل دینداری ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا

Marfat.com

وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ (الاعراف: ۳۱،۳۲)

''اے بنی آدم! ہر عبادت کے موقعے پر اپنی زینت سے آراستہ رہو۔ اور کھاؤ پیو، اور حد سے تجاوز نہ کرو؛ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے نبی! ان سے کہو کہ کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا ہے، جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا؟ اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی دین داری کی جو اقدار بیان فرمائی ہیں، ان میں روزی کمانا بھی شامل فرمایا ہے۔ تجارت اور لین دین کو بشرطِ دیانت، جہاد فی سبیل اللہ کے مثل قرار دیا ہے:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَاءِ. (ترمذی)

''سچائی کے ساتھ معاملہ کرنے والا امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔''

بیوی اور بچوں پر اپنا مال خرچ کرنا اور اس کے لیے جدوجہد کرنا صدقہ بھی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے مثل بھی۔ (حدیث، بخاری و مسلم بروایت ابو مسعود بدری اور ترغیب الترہیب بحوالہ طبری)۔ اس کی تشریح وہ حدیث ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ تمہارے رب کا تم پر حق ہے اور تمہارے نفس کا بھی، اور تمہارے اہل و عیال کا بھی، اس لیے اس کا حق ادا کرو (بخاری)۔

خدا ترسی اور دنیاوی سرگرمیوں کا یہ حسنِ توازن صرف اسلام کا بیش بہا عطیہ ہے۔ اس نے مذہب اور تزکیہ نفس کے لیے جہاں ترکِ دنیا (رہبانیت) کو غلط قرار دیا ہے وہیں اس نے دنیاداری میں مبالغہ آمیز انہماک کو بھی غلط قرار دیا ہے۔ دینداری کو معاملاتِ دنیا سے منسلک کیا ہے اور دنیاداری کو خدا ترسی اور تزکیہ نفس سے متعلق کیا ہے۔

عقل و جذبات میں توازن

دینِ اسلام کا دوسرا اہم وصف یہ ہے کہ اس نے عقل اور جذبات دونوں کے مناسب اور متوازن امتزاج کو انسان کے حقیقی منصب کی ادائی کے لیے لازم قرار دیا ہے۔ اس کے نزدیک خدا ترسی اور خدا شناسی- دونوں عقل اور علم و فہم سے پیدا ہوتے ہیں۔ چناں چہ قرآن کریم نے

Marfat.com

اولی الالباب کی شان یہی بتائی ہے کہ وہ کائنات کی تخلیق پر غور وفکر کرتے ہیں اور اس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیقی کارفرمائی اور شانِ رحمت کا شعور حاصل کرتے ہیں۔ اس کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۹۰، ۱۹۱)

قرآن کریم نے متعدد بار تدبر اور تفکر کی دعوت دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے لوگ اس کے وہی بندے ہوتے ہیں جو علم سے بہرہ ور ہیں (فاطر: ۲۸) اس نے بے بصیرتی اور بے علمی کو مومن بندوں کی شان سے فروتر قرار دیا۔ (الفرقان: ۷۳) لیکن عقل اور علم کے ساتھ اس نے انسانی جذبات کی نفی نہیں کی ہے بلکہ ان کو تحریک عمل کا سبب قرار دیا ہے۔ ان کو اللہ کی نظر میں معتبر قرار دیا ہے۔ اس نے محبت کے جذبے کی قدر شناسی کی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ:

وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ.

(الحجرات: ۷)

"لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے لیے دل پسند بنا دیا۔"

غیظ و غضب کے جذبات کے اشتعال پر قابو پانا محسنین کی صفت بتایا ہے۔ (آل عمران: ۱۳۴) کفر و فسق اور عصیان سے نفرت کو بندہ مومن کے لیے خدا کی خاص نعمت قرار دیا ہے۔ (الحجرات: ۷) اس نے بیوی سے سکینت اور مودت کے حصول کو معتبر قرار دیا ہے۔ (الروم: ۲۱) اولاد کی محبت کو فطرت انسانی کی پسندیدہ صفت کی شکل میں پیش کیا ہے۔ (آل عمران: ۱۴) جنسی جذبات کی تشفی کو اخلاقی حدود کے اندر فلاح آخرت کا ذریعہ قرار دیا ہے (المومنون: ۵-۶) اس دین نے، انسانی جذبات کو صالحیت کے لیے ابھارا ہے اور خدا سے سرکشی کا سدباب کرنے کے لیے فطری جوش اور غضب کو مشتعل بھی کیا ہے۔ (التوبہ: ۳۸) اس دین نے لذت کام و دہن حاصل کرنے کے فطری اشتیاق کو بھی تزکیہ نفس کے خلاف نہیں قرار دیا ہے۔ (الاعراف: ۳۱-۳۶) یہاں تک کہ انسان کے ذوقِ جمال کی بھی تشفی فرمائی۔ (الملک: ۳-۵) آں حضورؐ کے ارشاد گرامی: اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ وَّ يُحِبُّ الْجَمَالَ نے اس کو مزید واضح کر دیا ہے۔ لیکن اسلام کی امتیازی شان صرف اتنی نہیں ہے کہ اس نے انسان کے جذبات اور خواہشات کو معتبر قرار دیا ہے۔ بلکہ ان سب کو عام انسانی مفادات اور حسن اخلاق کے تابع کر کے ان کو منضبط کرنے کی راہ بھی دکھائی ہے۔ وہ نہ عام دھرموں کی طرح ان کی نفی کرتا ہے اور نہ دنیاداروں کی طرح ان کو کھیل کھیلنے کا موقعہ فراہم کرنا چاہتا ہے۔ وہ عقل اور

Marfat.com

جذبات کے بہترین توازن کا علمبردار ہے۔ اس نے عقل انسانی کو بھی بے لگام نہیں چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ اس کو تقویٰ کا پابند بنایا ہے اور عام انسانی منفعت کو اس کی غایت اولی قرار دیا ہے۔

اصول پسندی اور لچک

اسلام کا تیسرا امتیاز یہ ہے کہ وہ اصول پسندی اور لچک میں بے مثال توازن قائم کرتا ہے۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ دین کی بنیادی تعلیمات اور اصول و اقدار پر ایمان لانے کے بعد انسان پوری زندگی اس کے سپرد کر دے:

اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (البقرہ:۲۰۸)

اس میں نہ کتر بیونت کرے اور نہ ہی دنیوی مصلحتوں کے تحت ان میں تغیر و تبدل گوارا کرے (یونس:۱۵) رسول اکرم ﷺ کا جامع ارشاد ہے:

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ. (الحدیث)

''کہو، میں خدا پر ایمان لایا، اور پھر اس پر جم جاؤ''

دین حق اپنے اصولوں اور اقدار میں کسی ترمیم اور مصالحت کو گوارا نہیں کرتا ہے (الاسراء:۷۴)۔ نہ اسے یہ پسند ہے کہ ہر چڑھتے ہوئے سورج کے سامنے انسان سر اطاعت خم کرے۔ اس کے نزدیک اللہ کی بندگی ایک دائمی قدر ہے۔ اس میں استقامت سے انسان کے انفرادی کردار کو ثبات اور استقلال حاصل ہوتا ہے۔ اور اجتماعی بنیادوں کو استحکام ملتا ہے۔ اسلام کے نزدیک اس کی تعلیمات پر پوری دل جمعی اور صبر سے قائم رہنا اور پوری زندگی اسی طرح گزارنا دنیا اور آخرت میں فلاح کا موجب ہے۔ دنیا کی مصلحتیں مومن کے کردار میں کمزوری نہیں پیدا کرتیں۔ بندگی وہی معتبر ہے جو دائمی ہو۔ عبادت وہی قابل قدر ہے، جس کی مقدار چاہے کم ہو، لیکن اس کا اہتمام برابر ہوتا رہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ بندۂ مومن ثبات قدمی کی دعا کرتا ہے:

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا. (البقرہ:۲۵۰)

''پروردگار! ہمارے اوپر صبر کا فیضان کر اور ہمارے قدم مضبوطی سے جما دے۔''

اصولی اقدار کی بنیاد پر وہ فیصلہ کرتا ہے اور فیصلے کا حکم بھی دیتا ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز (المآئدہ:۸)

"کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی عدالت میں صرف ایمان اور عمل صالح ہی کام آتے ہیں۔ قرابت داری، رنگ و نسل اور قبیلہ معتبر نہیں ہوتے (البقرہ: ۸۱)۔ لیکن یہ حقیقت پسند دین ہے۔ اس کا نازل کرنے والا علّامُ الغیوب ہے۔ وہ حالات کے تغیر سے بھی واقف ہے اور انسان کی کمزوریوں کو بھی جانتا ہے۔ وہ صرف سخت گیر اور عادل نہیں ہے بلکہ رحیم و کریم بھی ہے۔ وہ انسان پر صرف اتنا ہی بوجھ ڈالتا ہے، جسے وہ سہار سکے۔ اس کی تعلیمات سوکھی لکڑی کی طرح نہیں جو ہر حال میں راست کھڑی رہتی ہے۔ بلکہ ان میں رخصت اور رعایت بھی ہے۔ وہ کہتا ہے:

مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤیۙ (طٰہٰ: ۲)

"ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔"

اور

لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا (الانعام: ۱۵۲)

"اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا۔"

اس کی دلیل حضور اکرم ﷺ کے متعدد ارشادات ہیں، جن میں آپ نے مسائل کے حالات اور مجبوریوں کا لحاظ فرمایا ہے۔ اس کی افتادِ طبع کی بھی رعایت فرمائی ہے۔ دینِ حق کی اسی شان کا نتیجہ ہے کہ فقہ اسلامی میں حالات کے تغیر کا خاص اعتبار کیا گیا ہے۔ اجتہاد کے لیے "عرف"، "استحسان" اور "مصالح" کی اصطلاحات وضع کی گئی ہیں۔ اصول شریعت کی حکیمانہ توضیح کی گئی ہے۔ دینی ترجیحات کا نظام مرتب کیا گیا ہے۔ حالات اور ظروف کے اعتبار کی وجہ سے فقہ اسلامی کے متعدد مکاتبِ فکر وجود میں آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکم جہاں یہ ہے کہ بندہ مومن اس کے احکام کی ہر حال میں تعمیل کرے اور اس کے عطا کردہ اصول کی سختی سے اتباع کرے ــــــ وہیں اس نے اپنے احکام اور قانون میں ضروری لچک بھی رکھی ہے، انسان کی کمزوریوں کا لحاظ بھی کیا ہے اور اس کے ضروری دنیوی مسائل کا بھی اعتبار کیا ہے۔ یہ وہ صفت ہے جس نے اسلام پر عمل کو آسان بنا دیا ہے۔ ارُن شوُرِی جیسے نافہم محقق اس مصلحت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں جن کو فتاویٰ کا اختلاف، انتشارِ فکر و نظر آتا ہے۔

Marfat.com

حالاں کہ یہ اختلاف اپنی حقیقت میں اسی وسعت اور کشادگی کی دلیل ہے جو قرآن کریم کے بنیادی اصول سے مستنبط ہے کہ ''یہ دین آسان ہے، مشکل نہیں۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرہ:۱۸۵)

''اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، تنگی نہیں چاہتا''

اسی اصول کو رسول اکرم ﷺ نے اپنی مختلف ہدایات میں واضح فرمایا ہے۔ مثلاً:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَّلَنْ یُشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ (ریاض الصالحین)

''دین آسان ہے۔ جو شخص دین میں تشدد اختیار کرتا ہے، مغلوب ہو جاتا ہے۔''

دین حق کی اس بے مثال صفت کا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جو اہتمام فرمایا ہے اس کی دو بنیادیں قرآن کریم کی تعلیمات میں مضمر ہیں۔ ایک بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

''ایمان والو! اللہ، اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔ اور جب کسی معاملے میں تمہارے درمیان اختلاف ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔''

(النساء:۵۹)

اس نے کسی انسان کو فیصلہ کن نہیں بنایا ہے، بلکہ نزاعی اور اختلافی معاملات و مسائل میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس کی دوسری بنیاد رسول اللہ کا یہ ارشاد ہے:

''جب قرآن و سنت میں تمہیں کوئی حکم نہ ملے تو اپنی صوابدید (یعنی عقل) کا استعمال کرو۔''

ان دونوں بنیادوں کا امت نے اپنی تاریخ کے بیشتر ادوار میں اعتبار و لحاظ کیا ہے۔ البتہ بعض زمانے ایسے ضرور گزرے ہیں جن میں ''تحفظ'' کا داعیہ غالب رہا ہے اور ''اجتہاد'' کے دروازے بند کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مگر یہ رجحان مستثنیات میں سے ہے۔ دائمی اور اساسی رجحان وہی رہا ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

Marfat.com

کتنی دراز ہے پاکی داماں کی حکایت

حالات زمانہ کی ستم ظریفی دیکھیے کہ وہ دین جو امن وسلامتی کا سبق سکھاتا ہے، جو حق و انصاف کا علم بردار ہے، جس کی نظر میں تمام بنی آدم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النسآء:۱)

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا۔''

اور جس نے اس حقیقت کی بنیاد پر تمام انسانوں کو اللہ کا کنبہ قرار دیا ہے:

اَلْخلقُ عیالُ اللّٰهِ فَأَحبُّ الخلقِ اِلَی اللهِ مَنْ اَحسنَ اِلٰی عَیالِهٖ.

(حدیث)

''ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے، تو اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ اور محبوب انسان وہ ہے جو اس کے کنبہ (خلق خدا) کے ساتھ حسن سلوک کرے۔''

اور جس نے اپنے وابستگان کو یہ تعلیم دی کہ جس کسی نے ایک جان کو ناحق قتل کیا یا فساد برپا کرنے کے لیے ایسا کیا تو گویا اس نے تمام انسانیت کو قتل کر ڈالا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًاؕ

(المآئدہ: ۳۲)

''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔''

اس دین پر وہ لوگ حرف گیری کر رہے ہیں، جن کا شعار خود غرضی، نفسانیت اور ظلم و چیرہ دستی رہا ہے۔ وہ آج اپنی طاقت کے بل بوتے پر نفس اسلام اور ملت اسلامیہ کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر رہے ہیں۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اس مہم کے سرغنہ نے پاکیِ داماں کی حکایت اتنی دراز کر دی ہے کہ سب دم بخود ہیں۔ عوام بھی اور خواص بھی، دانشور بھی اور لبرلزم ((Liberalism)) کے علم بردار بھی۔ مغرب کا ہر مقتدر ایک ہی دھن میں سرشار ہے کہ اسلام اور مسلمان دہشت گردی کا منبع ہیں۔ جہادی لوگ انسانیت کا سرطان ہیں۔ یہ لوگ ببانگ دہل یہ اعلان کر رہے ہیں کہ دورِ حاضر سول سوسائٹی (Civil Society) کا دور ہے۔ یہ رواداری اور مساوات کا زمانہ ہے۔ اس نے انقلابِ احوال کے لیے جمہوری راستہ اختیار کیا ہے۔ اسلام ان تمام اقدار کی ضد ہے۔ اس کی درس گاہوں میں ظلمات پرستی اور دہشت گردی کے اسباق سکھائے جاتے ہیں۔ ہر سچا مسلمان بالقوی (Potentialy) جہادی ہے اور ہر اسلامی (مسلم) ریاست دورِ جدید کا بدنما دھبا ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ اگرچہ یہ شور وغوغا امریکہ سے اٹھایا گیا تھا، مگر حالات ایسے بنے ہیں کہ دنیا کے بیشتر ممالک اس کاروانِ چیرہ دستی میں شریک ہو گئے ہیں۔ اس لیے کہ امریکہ کے پاس معاشی طاقت اور عسکری قوت ہے، جس کے سبب سے سب اس کی نظرِ کرم کے محتاج ہیں۔ ہمارے ملکِ عزیز کا حال ویسا ہی ہے جیسا کہ روایتی عاشق کا اپنے محبوب کے لیے بیان کیا جاتا ہے:

سب ہیں تصدق ان پر، وہ سامنے تو آئیں
اشکوں کی آرزوئیں آنکھوں کی التجائیں

اس مہم میں اسرائیل جیسے چیرہ دست بھی شریک ہے، جس کا قیام ہی ریاستی دہشت گردی کا مرہونِ منت ہے اور برطانیہ کے وزیرِ اعظم بھی، جن کے ملک نے عربوں کے سینے میں سلطنتِ اسرائیل کا خنجر پیوست کیا تھا۔ چیچنیا میں ظلم کی داستان لکھنے والا روس بھی اس مہم میں شامل ہے۔

اسلام کی دشنام طرازی کی یہ مہم اپنے مقاصد اور اپنی حقیقت کے اعتبار سے نئی نہیں ہے، مگر یہ مہم اس اعتبار سے نئی ہے کہ اس کی ابتدا اسامہ بن لادن اور طالبان کے مزعومہ جرم سے ہوئی ہے اور افغانستان پر کارپٹ بمباری اور طالبان کی تباہی اس کے ہتھیار رہے ہیں اور امریکہ کے اعلان کے بموجب پوری دنیا میں ایک لمبے عرصے تک دہشت گردی کی یہ مہم جاری رہے گی۔

Marfat.com

اُسے القاعدہ کے مجرموں کی کرۂ ارض کے ہر گوشے میں تلاش ہے۔ اس تلاش میں مسلم ممالک بھی شریک کار ہیں، مگر اس جنگ کا دائرہ روزِ اول سے وسیع رہا ہے۔ آغاز میں تو چوری چھپے مگر اب کھلم کھلا مسلم تنظیموں اور مدارس اسلامیہ پر اس کی زد پڑ رہی ہے۔ مسلم تنظیمیں اس لیے کہ انہوں نے طالبان کے ساتھ تعاون کیا تھا اور اسلامی مدارس اس لیے کہ ان میں ایسی تعلیم دی جاتی ہے جو دہشت گردی کے ذہنی ساخت (Mindset) تیار کرتے ہیں۔ صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کی حالیہ تقریر پر مغرب میں تحسین و تعریف کے ڈونگرے اسی لیے برسائے جا رہے ہیں کہ انہوں نے مساجد اور مدارس کو تختۂ مشق بنانے کا اعلان کیا ہے۔ اندیشہ ہے کہ اس جرأت رندانہ سے ہمارا ملک بھی سبق لے گا۔ پابندی اور زبان بندی کا یہ سبق بعض مسلمان ملکوں نے پہلے ہی پڑھ رکھا تھا، جس میں سعودی عرب اور مصر و شام سرفہرست ہیں۔ مساجد اور مدارس پر اس الزام کا ثبوت فراہم کرنے کی نہ امریکہ کو فکر ہے اور نہ ہی اس کے متبعین کو۔ ماضی میں ظالموں نے کبھی اس کی پروا نہیں کی ہے کہ مظلوم کے جرم کا ثبوت فراہم کریں، اور نہ ہی اس کی فکر کی ہے کہ سزا جرم کے تناسب سے دی جائے۔ اسلام نے جرم و سزا کے درمیان تناسب قائم کرنے کا حکم آج سے چودہ سال پہلے دیا تھا۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ (المآئدہ: ۴۵)

"تورات میں ہم نے یہودیوں کو حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے لیے برابر کا بدلہ۔ پھر جو قصاص کا صدقہ کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔"

یہ وہ دین ہے، جس کو آج شقاوت اور دہشت گردی کا دین کہا جاتا ہے، اور آج کے دور میں انسانی حقوق، جمہوریت اور سِوِل سوسائٹی کے علم برداروں کو طاقت کے زعم میں اس کی پروا کب ہے کہ جرم کے تناسب سے سزا دی جائے۔ پہلے ویت نام اور اب افغانستان پر کارپٹ بمباری اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

Marfat.com

دہشت گردی کے خلاف اس عالمی مہم کی چند بنیادی خصوصیات ہیں، جن پر اس کی کامیابی کا انحصار ہے اور جن کے بروئے کار آنے سے نہ صرف مسلمان ہی متاثر نہیں ہوں گے بلکہ عام دنیا کا مستقبل بھی متاثر ہوگا۔ اس مہم کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے نزدیک ملٹری طاقت اور حکومتی جبر وتشدد کے ذریعے اس مرض کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔ اس وجہ سے یہ ایک غیر متوازن یک رُخی مہم ہے، جس کے چلانے والے تاریخ کے اس واضح سبق کو نظرانداز کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ چند شوریدہ سر گروہوں اور افراد کا سر کچلنے سے دہشت گردی کا قلع قمع کیا جاسکتا ہے۔ اس ناکامی کی سب سے قریبی مثال ہندستان کی نکسلائٹ تحریک ہے۔ ۱۹۴۶ء میں تلنگانہ کے کسانوں کی مظلومیت سے فائدہ اٹھا کر یہ تحریک برپا کی گئی تھی، مگر ہزار کوششوں کے باوجود آج بھی مختلف شکلوں میں یہ تحریک آندھرا پردیش، اڑیسہ اور بہار میں زندہ بھی ہے اور متحرک بھی۔ جب کہ اس تحریک کے ایک حصے نے جھارکھنڈ کے پلامو (Plamu) ضلعے میں تعمیری جدوجہد میں مصروف ہوکر عوام ہی نہیں بلکہ زمین داروں میں بھی مقبولیت حاصل کرلی ہے۔ (انگریزی روزنامہ ''ہندو'' جنوری ۲۰۰۲ء۔ ایم. کے. نارائن نے اپنے ایک مضمون انگریزی روزنامہ ''ایشین ایج'' ۲۸ رفروری ۲۰۰۰ء میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس تحریک کا رشتہ اُلفا، ایل.ٹی.ای اور پیرو کی تحریک (Shining Path Movement) کے علاوہ آئی.ایس.آئی سے بھی قائم ہے۔ ہندستان کی حکومت کے اس تجربے سے جہاں اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ تشدد کا علاج حکومت کی جارحیت سے ممکن نہیں ہے، وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر ان شوریدہ سر افراد کے ذہن وقلب کو بدلنے کی کوشش کی جائے تو مؤثر ثابت ہوسکتی ہے۔ دوسرا تجربہ فلسطین میں اسرائیلی حکومت کی دہشت گردی ہے جو نصف صدی سے جاری ہے۔ تیسری مثال خود افغانستان ہے، جہاں پہلے برطانیہ نے، پھر روس نے اور اب امریکہ نے دہشت گردی کو کچلنے کا عزم کیا ہے۔ پہلے دو ملکوں کا انجام تاریخ میں محفوظ ہے اور آخری کا انجام مستقبل کو معلوم ہے۔ ملٹری طاقت اور قانون کے ذریعے دہشت گردی کا سدباب کرنے والے یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ روایتی ققنس کی طرح یہ مرتا نہیں بلکہ اس کی خاک سے دوسرا ققنس پیدا ہوتا ہے۔

دہشت گردی کی حالیہ مہم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے پیدا کردہ طوفان میں

Marfat.com

انسانیت عامہ کے دوسرے تمام امراض، اس کی گوناگوں مصیبتیں، اس کے مفلس اور فاقہ کش، اس کے ننگے اور محروم عوام، اس میں دولت اور غربت کا بڑھتا ہوا حیرت ناک فرق، اس کی تفرقیں اور عصبیتیں، زہریلی پھونکیں مارنے والا سرمایہ دارانہ عفریت سب سے نظر ہٹ گئی ہے۔ حالاں کہ عالمِ انسانیت جسے عصبیت اور جہالت نے پیچیدہ تر بنا دیا ہے، اس کے حقیقی دکھ میں بھی امریکہ اپنے مفادات کے تحفظ کا شاہکار ہے۔ انسانیت دوستی بھی اس ملک کے اپنے مفادات کے تابع ہے، چناں چہ ''تحتی سہارا افریقہ'' (Rwanda) کی المناک صورت حال کو آسانی سے نظر انداز کر دیا گیا۔ نائیجریا کے قحط زدہ علاقے کے لاکھوں عوام کو بھوک اور مرض سے بچانے کے لیے کوئی بھی عالمی مہم نہیں چلائی گئی۔ جب کہ اس کے برعکس بلقان (Balkan) کے علاقے میں انسانیت دوستی کی دہائی دے کر امریکہ نے ملٹری مداخلت کی تا کہ روس کے بڑھتے اثرات کا تدارک کیا جا سکے اور ناٹو (NATO) جیسے اتحاد کی مدد کی جا سکے۔ عراق کے لاکھوں عوام اور بچوں کو مرنے کے لیے بے بس چھوڑ دیا گیا، غریب اور پسماندہ ممالک کے لیے تجویز کردہ وہ نسخے اس سے کچھ کم عبرت ناک نہیں ہیں، جو اقوام متحدہ اور اس سے متعلق ادارے پیش کرتے ہیں۔ چند سال پہلے آبادی کانفرنس (World Population Conference) منعقدہ قاہرہ کے موقعے پر آئندہ دس برسوں میں کئی بلین (Billion) ڈالر کی لاگت کے پروگرام تجویز کیے گئے تھے، مگر اس لاگت کا بار ان ملکوں پر عائد کیا گیا تھا، جن کے عوام خود ہی بھوکے اور مریض ہیں، بھوک اور غربت کا علاج کرنے کے لیے بڑے بڑے ناموں سے کانفرنسیں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن ان کے نتائج مایوس کن ہیں۔ اس لیے کہ دہشت گردی کے خلاف عادلانہ جنگ کرنے والوں کو غریب اور پسماندہ ممالک کی حالت زار کے لیے بجٹ اور وسائل فراہم کرنے کی فرصت نہیں ہے۔ ایک عالمی کانفرنس (World Food Summit) منعقدہ روم ۱۹۹۶ میں بھوکے سونے والوں کی تعداد کا عالمی تخمینہ ۸۰۰ ملین بتایا گیا تھا اور اس کو ۲۰۱۵ تک ۴۰۰ ملین کرنے کا عزم کیا گیا تھا، (اس تخمینہ میں بیس سال میں آبادی میں متوقع اضافہ نظر انداز کیا گیا تھا) مگر عالمی ریکارڈ اس معاملے میں انتہائی مایوس کن ہے۔ ہمارے ملکِ عزیز میں ۱۱ر ستمبر اور اس کے بعد ۱۳ر دسمبر کے المناک اور قابلِ مذمت واقعے کے بعد دہشت گردی

کے خلاف ہمہ جہتی جد وجہد چلائی جارہی ہے۔ ہم اس مہم کی تائید کرتے ہیں اور ہر انسانیت دوست امن پسند اس کی تائید کرے گا لیکن یہاں بھی ہمارے سماج اور سنگین عوامی مسائل سے حکومت کی غفلت عبرت ناک ہے، حکومت کے گوداموں میں ۷۰ ملین ٹن غلہ موجود ہے، جن کا ایک حصہ اسٹوریج کی کمی کی وجہ سے سڑ رہا ہے، مگر ۲۰۰ ملین سے زیادہ بچے، عورت اور مرد بھوک اور غذا کی کمی کا شکار ہیں۔ خاص کر ان صوبوں میں جہاں طوفان اور سیلاب کا اثر بہت زیادہ رہا ہے مثلاً اڑیسہ اور آندھرپردیش۔ اڑیسہ کے ایک گاؤں میں بسنے والے تمام لوگ ہڈی کی بیماری کا شکار ہیں کیوں کہ اُن کے علاقے میں دستیاب پینے کے پانی میں کلورین کی مقدار بہت زیادہ ہے اور پچھلے دو دہائیوں سے حکومت صرف منصوبہ بنا رہی ہے۔ پچھلے دو برسوں میں ۵۰۰۰ سے زائد کسانوں نے آندھرا پردیش اور دوسرے ملحقہ علاقوں میں خودکشی کی ہے۔ غربت اور سماجی ظلم وزیادتی کے سبب بچیوں کے جنین (Female Foetuses) کو ضائع کرنے اور بعض اوقات کم سن بچیوں کو زندہ مار دینے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ صحت اور علاج معالجہ کے سرکاری انتظام اتنے ناقص ہیں کہ وہ غریب عوام کی پہنچ سے باہر ہیں۔ ایڈز، ٹی بی اور موذی امراض کا چیلنج بڑھتا جارہا ہے۔ جہالت اور ناخواندگی بعض طبقات میں المناک شرح کی مظہر ہیں، مثلاً قبائلی علاقے اور اقلیتیں۔ نفرت اور عناد کے جذبات کو ہوا دینے والے متعدد حرکتوں میں ملوث افراد کو کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے، اڑیسہ اور گجرات کے آفت زدہ انسان آج بھی حکومت کی نظر کرم کی محتاج ہیں۔ یہاں مزید تفصیلات بیان کرنے کا موقع نہیں ہے، اور نہ ضرورت ہے، بلکہ صرف یہ توجہ دلانا مقصود ہے کہ اس وقت انسانیت کا بہت بڑا حصہ جن مصائب میں گرفتار ہے اور جن مصیبتوں کا شکار ہے، ان سے نظر ہٹا کر صرف عالمی دہشت گردی کے خلاف فوجی مہم چلا کر، نہ سِول سوسائٹی قائم ہوسکتی ہے، نہ بھوکے، ننگے اور مظلوم انسانوں کے دکھ کا مداوا ممکن ہے۔

دہشت گردی کی اس مہم کے پس پردہ بعض مقتدر قوتوں نے اسلام کے خلاف اور ملتِ اسلامیہ کی دینداری اور اس کے شعائر کے خلاف بھی اپنے دیرینہ مقاصد کو بروئے کار لانے کا موقع سمجھ لیا ہے۔ اس کا ثبوت ذرائع ابلاغ کا طوفان ہے، جہاں اس دین کی بیشتر اصطلاحات اور اس کی اقدار پر ضرب لگائی جارہی ہے۔ اسامہ بن لادن، طالبان اور متعدد نام نہاد جہادی

Marfat.com

گروہوں کو اصل اسلام قرار دیا جا رہا ہے۔ اس کی آڑ میں اسلام کی اصلاح کا پیغام دیا جا رہا ہے۔ اس حصار بندی کے ساتھ ساتھ طالبان کی شکست کو نفس اسلام کی پسپائی قرار دیا جا رہا ہے۔ اس چہار طرفہ یلغار سے امت مسلمہ کا ایک بڑا طبقہ خوف زدہ ہے، مایوس ہے اور بے بسی کے ساتھ اپنی اسلامی زندگی اور شعائر اسلامی کے مستقبل کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہے۔

ہم کو یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم ابدی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اسلام کی اصل طاقت اُس کے وابستگان کا عقیدہ اور ایمان ہے۔ اس کی طاقت کا انحصار کسی فرد یا ریاست یا ملک پر نہیں ہے۔ ملت اسلامیہ کے قائد اور رہنما نہ اسامہ بن لادن تھے اور نہ طالبان اور نہ ہی خود ساختہ، گم کردہ راہ جنگجو تنظیمیں۔ عقیدہ اور ایمان قلب و ذہن میں جاگزیں ہوتا ہے۔ ان کے مسکن، جسم اور مادی ظواہر نہیں ہیں۔ جسم فنا ہوتے ہیں، ریاست قائم ہوتی ہے اور تباہ بھی ہوتی ہے، مگر قرآن کی تعلیمات دل میں محفوظ ہوتی ہیں۔ انہیں نہ تشدد سے مٹایا جا سکتا ہے اور نہ ہی دشنام طرازی اور کردار کشی سے۔ حریف طاقتوں نے ہمیشہ اس دین کو، اس کے اقدار اور اُس کی اصطلاحات کو بدنام کرنے اور دروغ بانی کی مہم کے ذریعے فنا کرنے کی کوشش کی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے نتیجے میں یہ ہمیشہ نامراد ہوئے ہیں۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (الصف: ۸)

"یہ لوگ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا پھیلا کر رہے گا خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔"

ہماری اصل غلطی یہ ہے کہ ہم موہوم سہارے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ماضی قریب کی تاریخ میں کبھی ہم نے ایرانی انقلاب کا سہارا لیا اور اسے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا ہراول دستہ قرار دیا۔ کبھی کرنل قذافی کو اسلام کا نمائندہ تصور کیا، کبھی عیدی امین پر نگاہ مرکوز کی، کبھی صدام حسین کو اسلام کا غیر اسلام کے خلاف نبرد آزمائی کا ہیرو قرار دیا اور اب طالبان اور اسامہ بن لادن کو اسلامی نظام کا علمبردار سمجھنے لگے تھے، اس ذہنی کیفیت اور جذباتی ہیجان کی ذمے دار ہماری یہ غلط اندیشی تھی کہ سیاست بازی اور اسلام کی مخلصانہ پیروی کے درمیان تمیز کرنے کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ دین حق کی تعلیمات کی پیروی کو ہم نے ذرہ برابر اہمیت نہ دی۔ ہم نے اسلام کے دعویداروں کو نہ تو

Marfat.com

پرکھنے کی اہمیت سمجھی اور نہ یہ یاد رکھا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت، دین کے مخلصانہ اتباع سے مشروط ہے۔

اس ذہنی کیفیت کے نتیجے میں ہم یہ بھی بھول گئے ہیں کہ آزمائش اور مصیبتیں اللہ تعالیٰ کی سنت ہیں۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اظہار نہیں ہے اور نہ ہر ظاہری تباہی اور بربادی اس امر کا خدائی اعلان ہے کہ دُنیا میں صرف مادی طاقت اور عسکری برتری کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ آزمائش اس لیے بھی آتی ہے کہ دعویٰ ایمان کی صداقت کو کسوٹی پر پرکھا جائے۔ مصیبتیں اور ہزیمتیں اس لیے بھی آتی ہیں کہ صبر اور استقامت کا سبق دلوں میں راسخ ہو۔ ظاہری شان وشوکت اس لیے بھی زوال پذیر ہو جاتی ہیں کہ احکام خداوندی کی اتباع کو نظر انداز کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ سنت تمام انسانوں پر لاگو ہوتی ہے، لیکن امت مسلمہ کے سلسلہ میں اس کی سخت گیری نسبتاً زیادہ ہوتی ہے:

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ؕ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ؕ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ۝ (آل عمران: ۱۴۰، ۱۴۱)

''اس وقت اگر تم کو چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔ یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (اِس کے) گواہ ہوں، اور اللہ ظالمین کو پسند نہیں کرتا، اور تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو چھانٹ لے اور کافروں کو تباہ کردے۔''

غزوہ احد کے موقعے پر مسلمانوں کے ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے غفلت برتی تو انہیں ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔ تاریخ اسلامی میں کتنے ہی واقعات ہیں جب کہ مسلمان اور ان کی حکومتوں پر غیر معمولی مصائب آئے، منگولوں کی چیرہ دستی کس کو یاد نہیں؟ لیکن انہیں چیرہ دستوں نے اسلام کی طرف مراجعت کی۔ دورِ حاضر میں شرق اوسط (Middle East) میں یکے بعد دیگرے تمام ہی مسلم مملکتوں جزیرۃ العرب، مصر، شام، ترکی، لبنان، عراق و ایران سب نے اقتدار کھو دیا یہاں تک کہ ایک دور وہ آیا جب کہ اسلام کے محقق بڑے بڑے دانشور اور تاریخ داں یہ دعویٰ کرنے لگے کہ اسلام اب داستانِ پارینہ بن چکا۔ مگر ہر نازک دور میں دین حق

Marfat.com

کے مخلصین امت کے سوادِ اعظم کو دو باتیں یاد دلاتے رہے: ایک یہ کہ یہ سب کچھ تمہاری اس غلط اندیشی کا نتیجہ ہے کہ اسلام اور حکومت کی شان و شوکت دونوں ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔ یا یہ کہ اسلام اپنی زندگی کے لیے حکمرانوں اور سیاسی قائدین کا محتاج ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ اسلام ابدی اقدار اور عقائد کا نام ہے۔ اس کی کشش اس حقیقت میں مضمر ہے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

''سن لو! اطمینانِ قلب، اللہ کے ذکر اور اس کی یاد سے حاصل ہوتا ہے۔''

اور اسلام عدل و انصاف، شفقت و مروت اور حسنِ اخلاق کا نام ہے۔ اگر تم نے اسے کھو دیا تو تم واقعی مفلس ہو گئے۔ حقیقی مصیبت یہ ہے کہ بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائے۔ مومن کی تہی دامانی سکّوں سے محرومی نہیں ہے، بلکہ اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے محرومی ہے۔

امت مسلمہ کی ایک المناک بھول یہ ہے کہ اس نے اپنے حقیقی منصب پر پردہ ڈال دیا۔ اسلام اپنے رب کی طرف رجوع کی دعوت ہے، یہ ملت اپنی حقیقت اور اپنے مقصدِ وجود کے اعتبار سے ایک داعی ملت ہے، نفرت پھیلانا اس کے نفسِ وجود کے منافی ہے۔ اس کا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے۔ اسلام قانون بھی سکھاتا ہے، لیکن قانون کی حیثیت ثانوی ہے۔ عقیدہ و اقدار اور اصول اولین اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ سماج اور ریاست کی تشکیل کے ضوابط ضرور عطا کرتا ہے، مگر ریاست اس کی بنیاد نہیں ہے۔ وہ ایک عملی دین ہے، اس لیے اس نے ترکِ دنیا کی خیالی اور تصوراتی تعلیم نہیں دی ہے، اس نے انسانی زندگی کی ہر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کا لحاظ رکھا ہے، کسی ضرورت کی تحقیر نہیں کی ہے، کسی کو غیر فطری طور پر کچل کر روحانیت کی معراج حاصل کرنے کی تعلیم نہیں دی ہے، چناں چہ اس کے قانون میں طہارت کو ایمان کا جزو قرار دیا گیا ہے، راستے سے اذیت رساں اشیا ہٹانے کو مومن کی اعلیٰ صفات میں شمار کیا ہے۔ اس نے بشرطِ ضرورت جنگ (یا جہاد) کو بھی جائز رکھا ہے بلکہ بعض حالات میں اس کو مومن کے صدقِ ایمانی کا امتحان بھی قرار دیا ہے، لیکن وہ خوب اچھی طرح یہ واضح کرتا ہے کہ عدل و انصاف، انسانیت دوستی، رحمت اور مواساۃ اس کے پیغام کا جوہر ہے۔ وہ یہ بھی واضح کرتا ہے کہ ذریعہ اور مقصد دونوں پاکیزہ ہونے چاہئیں۔ آپ اس دین کو دھوکہ، خیانت اور زور زبردستی سے نہیں پھیلا سکتے اور نہ نافذ کر سکتے ہیں۔ اس کی بنیادی تعلیمات کا جوہر حسنِ اخلاق ہے۔ اس کے نزدیک سیاست بھی

Marfat.com

ایک پاکیزہ عمل ہے۔ اقتدار اگر حاصل ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور انسانیت کی خدمت ہے۔ یہی وہ جوہر ہے، جس کی وجہ سے انسانوں کے دل اس دین کی طرف کھنچتے چلے آتے ہیں۔ اس کی ایک اجمالی تصویر ذیل کے ارشادات سے واضح ہوتی ہے۔ عام انسانیت سے وہ محبت اور حسن سلوک کی تعلیم وہ ان الفاظ میں دیتا ہے:

الخَلقُ عیالُ اللّٰہِ فَاحسِنوُا اِلی عیالِہٖ.

''مخلوق، خدا کا کنبہ ہے۔ لہذا اس کے کنبہ (خلق خدا) کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اختیار کرو۔''

ایک طویل حدیث ملاحظہ کیجیے:

عن أبی هريرة قال، قال رسول اللهﷺ: الله عزوجل يقول يوم القيامة: يا ابن آدم! مرضت فلم تعدُنی! قال: يارب! كيف أعودک وأنت رب العالمين؟ قال: أماعلمت أن عبدی فلاناً مرض لم تعده. أما علمت أنک لوعدته، لوجدتنی عنده. يا بن آدم، استطعمتک فلم تطعمنی. قال: يارب، كيف أُطعمک و أنت رب العالمين؟ قال: أماعلمت أنه، استطعمک عبدی فلان فلم تطعمهٗ. أماعلمت أنک لو أطعمته لو جدت ذالک عندی.

يابن آدم استسقيتک فلم تسقنی؟ قال: رب! كيف أسقيک و أنت رب العالمين؟ قال: أسقاک عبدی فلان فلم تسقه. أما أنک لو استقيته لو جدت ذالک عندی.

(مسلم، كتاب البر والصلة)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تھا، تو نے میری عیادت نہیں کی۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں کیسے تری عیادت کرتا؟ آپ تو ساری کائنات کے رب ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، کیا تو نہیں جانتا اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا، تو نے مجھے نہ

Marfat.com

کھلایا۔ وہ عرض کرے گا میرے رب! میں تجھ کو کیسے کھلاتا جب کہ آپ تو ساری کائنات کے پروردگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا اور تو نے اسے نہیں کھلایا، کیا تو نہیں جانتا اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اس کھانے کو میرے یہاں پاتا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا، تو نے مجھے پانی نہ دیا۔ وہ عرض کرے گا: میرے رب! میں کیسے آپ کو پانی پلاتا؟ آپ تو ساری کائنات کے رب ہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اسے پانی نہ پلایا۔ اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو اس پلائے ہوئے پانی کو میرے یہاں پاتا۔"

اللہ اللہ! یہ وہ دین ہے، جس کی رو سے اللہ سبحانہ اپنے بندوں سے اتنی محبت کرتا ہے کہ ان کی دستگیری کو اپنی رضا اور خوشی کا معیار بتاتا ہے۔ یہ ارشاد اپنی حقیقت کے اعتبار سے مومن کے کردار کی نہایت تابناک تصویر ہے، اور قرآن کے اس مہتم بالشان بیان کی نہایت مؤثر تشریح ہے، جس میں آپؐ کے بھیجنے کی غایت بیان کی گئی ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ.

"ہم نے آپ کو تو سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

اس دین کی تعلیم کو جہادی اور دہشت گردی سے تعبیر کرنے والے تھوڑی دیر اس مبارک تعلیم کی جامعیت پر غور کریں:

عن اَبی هریرة قال: قال رسول الله ﷺ: السَّاعِیُ علٰی الاَرْمَلَةِ و المسکین کالمجاهد فی سبیل الله و اَحْسَبُه قال: کالقائم لایفتر او کالصائم لا یفطر. (بخاری. کتاب الادب)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیوہ (بیوہ، مطلقہ یا شادی شدہ مسکین) کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا، اس شخص کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ (راوی کا گمان ہے کہ شاید آپ نے فرمایا:) جیسے کہ وہ قیام کی حالت میں کھڑا ہو اور کبھی نہ بیٹھے، یا روزہ رکھے اور کبھی نہ توڑے۔"

اگر اس دین کے کچھ علم بردار یہ سمجھنے لگیں کہ توڑ پھوڑ، معصوموں اور عورتوں کی گردن مارنا، خودکشی کے دستے ترتیب دے کر مزعومہ دشمنوں کو ضرب کاری پہنچانا اور اس طرح اسلام اور مسلمانوں کے

خود ساختہ مقاصد کو حاصل کرنا اس دین کو مطلوب ہے تو آپ اسے المیہ نہ کہیں گے تو اور کیا کہیں گے؟ اس کے خدا نے تو اس ملت کو یہ سکھایا تھا کہ دینداری اور حق پرستی کا شعار یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرنا، مظلوموں کی دست گیری کرنا اور عدل و انصاف کا قیام ہے اور جس کے رسولؐ نے ملت کو سکھایا تھا کہ:

تعدل بين الاثنين صدقة. وتعين الرجل فى دابته فتحمل عليها أوترفع عليها متاعه صدقة. والكلمة الطيبة صدقة، ولكل خطرة تمشيها إلى الصلوة صدقة و تميط الأذىٰ عن الطريق صدقة. (مسلم عن ابى هريرة، كتاب الزكوٰة)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو آدمیوں کے درمیان عدل سے صلح کرا دو، یہ صدقہ ہے۔ کسی کو اس کی سواری پر بٹھا دو یا اس کا سامان اس کی سواری پر رکھ دو یہ بھی صدقہ ہے اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے۔ تمہارا ہر وہ قدم جس سے چل کر تم نماز کے لیے (مسجد) میں جاتے ہو، وہ صدقہ ہے، راستے میں تکلیف دینے والی چیزیں (مثلاً کانٹے پتھر اور گندگی) ہٹانا صدقہ ہے۔''

اگر اس دین کی طرف قلوب راغب نہ ہوں تو اور کس طرف راغب ہوں گے؟ یہ رحمت اور مساوات کی اعلیٰ ترین تعلیم ہے۔ اس دین نے یہ تعلیم دی تھی کہ فردِ مومن کی مال و دولت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، جس پر صرف اس کا حق نہیں ہے، بلکہ ہر ضرورت مند کا حق ہے:

وَفِيٓ اَمْوَا لِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (الذّٰریٰت: ۱۹)

''اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کا حق ہے۔''

سرمایہ داری، لوٹ کھسوٹ اور معیارِ زندگی کی بلندی میں سرشار اس دور میں اسلام کی یہ تعلیم کتنے ہی دکھی دلوں کی پکار کا جواب ہے۔ وہ لوگ جو خیراتی مدات میں بھی رقم خرچ کرنے کے لیے تفریحِ طبع کا سہارا لیتے ہیں اور جو اپنے مال و دولت کو صرف اپنی محنت اور ذہانت کا ثمرہ سمجھتے ہیں، ان کے لیے یہ تعلیم تازیانہ ہے۔ یہ دین اپنی حقیقت کے اعتبار سے دعوت ہے، لیکن اس دعوت کے علم بردار کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ زعمِ برتری اور غرورِ تقویٰ کا شکار نہ ہوں۔ نبی آخر

Marfat.com

الزماں ﷺ کو تاکید کی گئی کہ نبوت کا کام جو تمہارے سپرد کیا گیا ہے، اس سے ہدایت یاب لوگوں پر احسان نہ جتاؤ کہ اس کا کوئی فائدہ حاصل کرو۔ نہ تمہیں یہ خیال آئے کہ اس طرح تم اپنے رب پر کوئی احسان کر رہے ہو۔

وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ ۝ (المدثر:۶)

''اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے۔''

یہاں تک کہ گم کردہ راہ بندوں کے متعلق حضرت عیسیٰ جیسے جلیل القدر نبی سے یہ کلمات ادا ہوئے کہ ''اے اللہ! اگرچہ میں نے ان کو تیرا پیغام دیا تھا لیکن انہوں نے اسے رد کیا اور یہ ظلم کیا کہ مجھ کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ لیکن میں ان کی بربادی اور تباہی کی بددعا نہیں کرتا۔''

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝ (المآئدہ:۱۱۸)

''اگر آپ ان کو سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کر دیں تو آپ غالب و دانا ہیں۔''

حضرت محمد ﷺ کو منکرین حق اور آپ کو ستانے والوں کے متعلق یہ نصیحت فرمائی گئی:

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصۡفَحِ الصَّفۡحَ الۡجَمِيۡلَ ۝ (الحجر:۸۵)

''ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان کی سب موجودات کو حق کے سوا کسی اور بنیاد پر خلق نہیں کیا ہے، اور فیصلے کی گھڑی یقیناً آنے والی ہے، پس اے محمدؐ! تم (ان لوگوں کی بیہودگیوں پر) شریفانہ درگزر سے کام لو۔''

آپ ﷺ کو دعوت حق کے لیے ایک عمومی اساس یہ فراہم کی گئی:

اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ؕ (النحل:۱۲۵)

''اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اور ان سے مباحثہ کرو ایسے طریقے سے جو بہترین ہو۔''

Marfat.com

ان ارشادات پر غور کیجیے کہ ان میں صرف اتنی ہی تلقین نہیں کی گئی ہے کہ دعوت حق کس طرح دی جائے کہ اس میں برتری اور غرور وتقویٰ نہ ہو۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں جو حق کا انکار کریں ان سے بھی درگزر کرو۔ ان کی بے ہودگیوں اور اذیتوں پر صبر کرو اور ان کے لیے ہدایت کی دعا کرتے رہو۔ حضرت نوحؑ سے جو کلمات بددعا منسوب ہیں وہ ایک طویل عرصے تک دعوت کے ہر طریقے آزمانے کے بعد ان کی مسلسل سرکشی کے بعد دی گئی تھی کہ ان کا تمرد اور سرکشی اتنی بڑھ گئی ہے کہ اب سدھرنے کی کوئی امید باقی نہیں رہ گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اسوہ اور انبیاء علیہم السلام کی سنت سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ ہم دعوت کا فرض انجام دیتے رہیں۔ انسانوں سے کٹ کر ان سے عناد اور دشمنی کی راہ نہ اپنائیں بلکہ مسلسل دعوت دیتے رہیں۔ یہاں تک کہ مخاطبین کے ظلم اور سرکشی سے اس کا امکان ہی باقی نہ رہ جائے۔ آج کی خودغرض اور استہلاک پسند (Consumerist) دنیا میں جو دین یہ تعلیم دیتا ہے کہ دین داری کا اصل جوہر اور اس کا بہترین مظہر غریبوں کی دستگیری اور محبت کا عام کرنا ہے اس کی رحمت کو صرف ہٹ دھرم ہی نظر انداز کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ سب سے بہترین اسلام کون سا ہے آپ نے جواب دیا:

تُطْعِمُ الطَّعامَ وَتَقْرأُ السَّلامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ.

(بخاری عن حارثہ بن وھب)

''تم کھانا کھلاؤ اور سلام کہو ہر شخص کو چاہے تم اسے پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔''

اس کے پیغمبر نے غربا اور کمزوروں کو یہ بشارت دی

الا اخبرکم باھل الجنۃ؟ کل ضعیف متضعف لو اقسم علی اللہ لابرہ، الا اخبرکم باھل النار؟ کل عتل جواظ مستکبر.

(بخاری عن حارثہ بن وھب)

''کیا تم کو نہ بتاؤں کہ اہل جنت کون ہیں؟ ہر وہ شخص جو کمزور ہے اور لوگ اسے حقیر جانتے ہیں۔ اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو ضرور پوری کر دیتا ہے۔ اور کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ اہل نار کون ہیں؟ ہر بڑائی چھانٹنے والا اور استکبار میں مبتلا شخص!''

Marfat.com

جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، یہ دین عام انسانوں سے محبت سکھاتا ہے، مواساۃ اور ہمدردی کا پیغام دیتا ہے۔ اس کی ایک مثال جو اگرچہ ایک چھوٹی نیکی سے تعلق رکھتی ہے لیکن محبت کا پودا لگانے میں نہایت مؤثر ہے، پڑھیے:

من عاد مريضاً لم يزل يتعوض الرحمة حتى يجلس فاذا جلس اغتمس فيها. (مشكوة: باب عيادة المريض)

''جو شخص کسی بیمار کی عیادت کو چل پڑتا ہے، اللہ کی رحمت اس کو گھیر لیتی ہے جب تک وہ اس کے پاس بیٹھ نہ جائے؛ اور جب وہ اس کے پاس بیٹھتا ہے تو اللہ کی رحمت میں غوطے لگاتا ہے۔''

پروردگار عالم نے اس دین حق کے نزول کی اہم غایت یہ بتائی ہے کہ:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج (الحديد: ۲۵)

''ہم نے اپنے رسول بھیجے روشن نشانیوں کے ساتھ اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تاکہ لوگ عدل قائم کریں۔''

یہ اس مالک کائنات کا دین ہے جو ظلم کو ناپسند کرتا ہے۔ ظلم کا ازالہ کرنے والے محسنین کو پسند کرتا ہے:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ.

''اور اللہ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

اگر اس دین حق میں کشش نہ ہو تو پھر اور کس پیغام میں وہ جاذبیت ہوگی کہ اس طرف لوگ کھنچے چلے آئیں؟ اس وقت ظلم وستم کی ستائی ہوئی، ناانصافی اور سرمایہ دار گرفت میں جکڑی ہوئی انسانیت، شہوت رانی اور نفس پرستی کی ستائی ہوئی انسانیت اگر اس دین کی طرف متوجہ ہے، یورپ امریکہ میں نہیں بلکہ ہر جگہ اس کا پیغام پہنچ رہا ہے۔ جس کو بھی یہ دین رحمت پہنچایا جاتا ہے، وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اس لیے کہ گلیمر کی سجی اور سنوری دنیا میں بہت گہرے دکھ ہیں، فلسفہ اور نظریات کے حشم وخدم کے باوجود مرض ہے کہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے تشویش کس کو ہوگی؟ اس کی دشمنی پر کون آمادہ ہوگا؟ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس طوفان برق و

Marfat.com

باد کے علی الرغم یہ دین پیش قدمی کر رہا ہے۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم میں سے بعض عاقبت نااندیش گروہ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو اس امیج کو بگاڑنے کے درپے ہیں۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ ملت اسلامیہ کے بہت سے افراد اور گروہ ظلم اور ناانصافی کا شکار ہیں، ان میں غم و غصہ ہے لیکن مصیبت سے نکلنے کا طریقہ وہی اختیار کرنا چاہیے جو خداوند کریم کی تعلیمات سے مستنبط اور ماخوذ ہے۔ اس سے بے نیازی مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام رحمت اور مرحمت کا دین ہے۔ وہ اسی راستے سے قلوب اور اذہان کو متاثر کر سکتا ہے۔ یہ دین نہ کبھی زور زبردستی سے پھیلا ہے اور نہ آئندہ پھیل سکتا ہے!''

اس ملک میں آپ زخموں پر مرہم رکھیے، مظلوموں کو وہ بشارت دیجیے جو قرآن کریم میں مذکور ہے اور جس کی بہترین تشریح نبی اکرم ﷺ نے کی ہے۔ پھر دیکھیے کہ یہ ملک ہی نہیں، پوری دنیا کس طرح آپ کی گرویدہ ہو جاتی ہے۔ خود ساختہ سیاسی بازیگروں کو اسلام کا استحصال کرنے کی اجازت نہ دیجیے، نہ ان کے غلط اندیشوں سے متاثر ہو کر ان کی آواز پر کان دھریئے۔

یہ یاد رکھیے کہ داعی مخاطب کے خلاف نفرت کا سبق نہیں دیتا بلکہ ان کی ہدایت کی دعا کرتا ہے۔ دین حق نہ کبھی کمزور تھا اور نہ آج ہے، اس لیے کہ یہ ان ابدی اقدار کا سرچشمہ ہے، جس کے بغیر انسانیت کبھی فلاح و بہبود اور امن و سکون سے بہرہ ور نہیں ہو سکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا دائمی وعدہ ہے:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (الروم:۴۷)

''اور ہم پر یہ حق ہے کہ ہم مومنوں کی مدد کریں۔''

بشرطیکہ ہم اور آپ مومن ہوں اور ہمارا بھروسا اس ذات بے ہمتا پر ہو، جس کے دست قدرت میں تصریف احوال ہے۔

Marfat.com

تحریک اسلامی
انسانیت عظمیٰ کی خیر و فلاح کی داعی

تحریک اسلامی محض مسلمانوں کی خیر و فلاح کی علم بردار تحریک نہیں ہے اور نہ یہ اس لیے برپا کی گئی ہے کہ صرف نسلی مسلمانوں کے مفادات کو پروان چڑھائے اور اس مقصد کے لیے وہ انصاف و دیانت کی ہر قدر کو قوم پرستانہ تحریکوں کی طرح پیروں تلے روند ڈالے۔ وطن اور نسل و رنگ کی بنیاد پر برپا خوں آشام مسابقت، مادی خیر و فلاح کی اخلاق و محبت سے عاری ہنگامہ آرائی سے اس طرح گریز پا ہے جیسے متعدی امراض سے صحت مند انسان ہوتا ہے۔ اس کی فکر کا محور صرف نسلی مسلمانوں کی ابتری کا مداوا نہیں ہے۔ ہندی مسلمانوں کی مادی حالت زار اور ان کی مظلومیت کو دور کرنے کی کوشش، مرض، جہالت اور غربت کے ازالے کی جدوجہد اس کی نظر میں محمود ہے۔ یہ اپنی ابتدائی تاریخ کے دور سے ان میدانوں میں سرگرم کار رہی ہے مگر اس جدوجہد کا محرک کبھی بھی قوم پرستانہ حمیت نہیں رہی ہے۔ بلکہ تحریک کا یہ شعور رہا ہے کہ مسلمان دین حق کے نام لیوا ہیں اور اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ اس کے داعی ہیں۔ ان کی کمزوری دین حق کی کمزوری ہے اور ان کی قوت اس کی قوت ہے۔

پوری نوع انسانی کی عمومی خیر و فلاح کی داعی

اپنی حقیقت کے اعتبار سے تحریک اسلامی انسانیت عامہ کی عمومی خیر و فلاح کی داعی

Marfat.com

ہے۔ اس کی فکر کا محور پوری انسانیت ہے۔ اس کی دعوت کا تعلق سارے انسانوں سے ہے، یہ رنگ ونسل اور ذات و پات کی تنگ نائیوں میں قید نہیں ہے، سب کا بھلا چاہتی ہے، سب کی چارہ سازی اس کا نصب العین ہے۔ انسانیت کا مداوا ہے، ہر زخم کا مرہم ہے، ہر فکر و پریشانی سے انسانیت کو نجات دلانا چاہتی ہے۔ یہ ہر مظلوم کی حامی ہے اور عدل و انصاف کو ہر انسان کا حق سمجھتی ہے۔ ایسی راہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے، جس پر گامزن ہو کر انسان حقیقی اور دائمی خیر و فلاح تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ تحریک اسلامی انسانوں کو نہ طبقات میں تقسیم کرتی ہے اور نہ خصوصی مفادات کا تحفظ اس کے پیش نظر ہے۔ اس کا پیغام ہر غریب کا ملجا اور ہر یتیم کا ماویٰ ہے۔ ہر بیمار قلب کی شفا اور ہر بے بس کے لیے رحمت ہے۔ یہ جس دین کی پیغامبر ہے، وہ جہل اور اندھی خوش عقیدگی کا طالب نہیں ہے بلکہ عقل و شعور اور فہم و تدبر کے لیے دلیل راہ ہے۔ اس کی اصل، وسعت اور کشادگی ہے، پابندی اور قید نہیں ہے۔ یہ جس نظم سیاست اور جس نظم معاش اور معاشرت کی داعی ہے، وہ قید و بند کے لیے نہیں ہے بلکہ انسانی داعیات اور اس کی ضرورتوں کی تشفی کے لیے ایک متوازن اور منصفانہ فضا فراہم کرتی ہے۔

کتاب وسنت سے شہادت

مندرجہ بالا سطور میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ محض زورِ بیان نہیں ہے۔ بلکہ اس کتاب مبین کی واضح تعلیمات پر مبنی ہے جو اس تحریک کی اساس ہیں اور اس کے داعی اولؐ کے ارشادات ہیں، جن کی اتباع اس تحریک کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ قرآن کریم کی متعدد آیات اس امر کی طرف واضح اشارہ کرتی ہیں کہ یہ کتاب سارے انسانوں کی خیر و فلاح کی داعی ہے۔ بھولے بھٹکے اور خود ساختہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے انسانوں کے لیے یہ پیغام آزادی اور راہ ہدایت ہے۔ تاریکیوں میں ٹھوکر کھانے والے ہر گم گشتہ راہ کو روشنی کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کی برکتیں غیر محدود ہیں۔ یہ ہر مریض قلب کے لیے نسخہ شفا ہے۔ وہ سارے انسانوں کو اس طرح مخاطب کرتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّاشَآءَ رَكَّبَكَ ۝ (الانفطار: ۶-۸)

"اے انسان، کس چیز نے تجھے اپنے اس رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا،

جس نے تجھے پیدا کیا، تجھے نک سُک سے درست کیا، تجھے متناسب بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا۔"

قرآن کریم کا اعلان ہے کہ وہ سارے انسانوں کے لیے یکساں نذیر ہے:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا o

(الفرقان: ۱)

"نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کو خبردار کرنے والا ہو۔"

جس طرح اس کتاب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انجیل اور توریت نازل فرمائی تھی، اسی طرح یہ کتاب بھی سارے انسانوں کے لیے ہدایت ہے:

نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ o مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ (ال عمران: ۳،۴)

"اے نبی، اس نے تم پر یہ کتاب نازل کی جو حق لے کر آئی ہے اور ان سے قبل کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو پہلے سے آئی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے وہ انسانوں کی ہدایت کے لیے توریت اور انجیل نازل کر چکا ہے۔"

قرآن نسخۂ شفا اور ہدایت و رحمت ہے

یہ کتاب سارے انسانوں کے لیے سامان بصیرت ہے، جو اس کی روشنی میں فیض یاب ہونے کی توفیق پائے اس کے لیے یہ سرتاپا رحمت ہے۔ یہ راستہ دکھاتی ہے اور راہیں ہموار بھی کرتی ہے:

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ o

(یونس: ۵۷)

"لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے، اور جو اسے قبول کر لیں ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔"

اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے لیے رحیم اور رؤف ہے۔ وہ سب پر شفقت کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے تمام بندوں کو خیر و فلاح کی راہ دکھائے، دنیا کی تاریکیوں سے انہیں نکالے اور عقل و جذبات کے تراشے ہوئے بتوں کے سحر سے انہیں آزاد کرے:

Marfat.com

إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ (الحج: ٦٥)

"بے شک اللہ انسانوں کے لیے رؤوف ورحیم ہے۔"

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ۝ (یونس: ٦٠)

"بے شک اللہ انسانوں پر فضل کرنے والا ہے۔ لیکن اکثر ان میں سے شکر نہیں کرتے۔"

اس کے فضل وکرم کا بہترین اظہار وحی ہدایت کا وہ درخشاں سلسلہ ہے، جو انسانوں کو اندھیروں اور گمراہیوں سے نکالنے کے لیے برپا کیا گیا ہے:

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝ (فاطر: ۲۴)

"اور کوئی امت ایسی نہیں گزری ہے، جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔"

انبیاء ورسل بشیر ونذیر بنا کر بھیجے گئے تھے

یہ انبیاء اور رسل عام انسانیت کو ان کی خیر وفلاح کے لیے متنبہ کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے:

رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ (النساء: ١٦٥)

"یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تا کہ ان کو مبعوث کرنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے۔"

رسول اللہ ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے سراج منیر اور داعی الی اللہ قرار دیا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ (الاحزاب: ۴۶،۴۵)

"اے نبی، ہم نے تم کو بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے اس طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔"

آپؐ ساری انسانیت کے لیے رحمت تھے۔ آپ کی تعلیمات، رحمت الٰہی کا سرچشمہ تھیں:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ (الانبیاء: ۱۰۷)

"ہم نے تم کو محض دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

اللہ تعالیٰ سب کو راستہ دکھاتا ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ط (النحل: ۹)

''اور اللہ ہی کے ذمے ہے سیدھا راستہ بتانا جب کہ ٹیڑھے راستے بھی موجود ہیں۔''

انسانوں میں جو اس کے پیغام پر لبیک کہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا ولی اور رہنما بن جاتا ہے۔ عقل اور جذبات کی حیرانی سے اسے نکالتا ہے۔ تاریکیوں سے اس کو روشنی کی طرف لے جاتا ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط (البقرہ: ۲۵۷)

''جو لوگ ایمان لاتے ہیں اللہ ان کا حامی و مددگار ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے۔''

بھٹکے ہوئے مایوس لوگوں کے لیے مژدۂ جاں فزا

یہ پیغام تمام خطاکار اور گم کردہ راہ انسانوں کے لیے مژدۂ جاں فزا ہے:

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (الحجر: ۴۹)

''اے نبی، میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت درگزر کرنے والا اور رحیم ہوں۔''

وہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنے کی دعوت دیتا ہے جیسا کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی سرکش قوم کو دعوت دی تھی:

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ط اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝ (ھود: ۹۰)

''اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ، بیشک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔''

ظلم و زیادتی کرنے والوں کے لیے امید کی کرن

یہ کتاب ہر خطاکار انسان کے لیے امیدوں کا مرجع ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط (الزمر: ۵۳)

''اے نبی، کہہ دو: اے میرے بندو، جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔''

عام انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی اس رحمت و شفقت کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

عن انس بن مالک عن رسول اللہ ﷺ قال، اللہ تعالیٰ:

Marfat.com

يقول يا ابن آدم! أنك مادعوتني و رجوتني غفرت لك علي ماكان منك. (ترمذی)

''حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ابن آدم! جب تک تم مجھے پکارتے رہو گے اور مجھ سے امید کرتے رہو گے میں تم کو بخشتا رہوں گا چاہے تم سے جو صادر ہوا اور کچھ پروا نہ کروں گا۔''

اس کتاب کا مقصد نزول تمام انسانوں کے درمیان عدل وانصاف کا قیام بتایا گیا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید:۲۵)

''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔''

عصبیت اور حمیت جاہلیہ سے اجتناب

اس کتاب نے کبھی بھی عصبیت قوم اور حمیت جاہلیہ کی تعلیم نہیں دی ہے۔ اس نے اگر چہ مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے اور اللہ کی راہ میں جنگ خیر کرنے والوں کو بنیان مرصوص کی صفت سے متصف کیا ہے۔ اس کے پیغمبرؐ نے باہمی الفت اور نصح وخواہی کے اعتبار سے اس جماعت کو جسد واحد قرار دیا ہے۔ لیکن اس نے عدل وانصاف کے قیام کے لیے عقیدہ و مسلک کی تفریق، دشمنی اور دوستی کے جذبات کو معیار نہیں بنایا ہے۔ اس لیے کہ اس دین کی نظر میں انسانیت عامہ کی خیر وفلاح مقصود و مطلوب ہے۔ جب قرآن نے یہ ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ الْبَغْىِ (النحل:۹۰)

''اللہ حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا اور صلہ رحمی کا، اور منع کرتا ہے، بے حیائی، بدی اور ظلم وزیادتی سے۔''

اس نے قوم ونسل کی کوئی تفریق روا نہیں رکھی، جیسا کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے طرز عمل سے ثابت ہے، اس سے زیادہ واضح انداز میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المآئدہ:۸)

"کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ قریب ہے۔"

یہ کتاب مبین اپنے پیغمبرؑ کا تعارف اس طرح کراتی ہے کہ وہ تمام قوموں کو خود ساختہ بیڑیوں سے نجات دلاتا ہے اور اس کمر توڑ بوجھ سے آزادی دلاتا ہے جو انہوں نے دیرینہ رسم ورواج کی شکل میں اٹھا رکھا ہے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تلقین کرتا ہے، پاکیزگی کی راہ دکھاتا ہے اور گندگی کے ہر شائبہ سے احتراز کا سبق دیتا ہے:

معروفات کے قیام اور منکرات کے ازالے کا حکم

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط (الاعراف:۱۵۷)

"وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے، جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔"

نیکی اور خدا ترسی کے بارے میں قرآن کریم کا امتیازی رویہ یہ ہے کہ وہ صرف پرستش اور عبادت کو نیکی نہیں سمجھتا بلکہ اخلاق عالیہ کو دین کی شان قرار دیتا ہے۔ اس اجتماعی اور انفرادی اخلاق کی برکتیں ساری انسانیت تک وسیع ہیں۔ وہ ایسے فوز وفلاح کی دعوت دیتا ہے، جس کے دروازے سب کے لیے کھلے ہیں:

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى قف (النساء:۷۷)

"اور آخرت ایک خدا ترس انسان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔"

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ج (البقرہ:۱۸۹)

"نیکی تو اصل میں یہ ہے کہ آدمی اللہ کی ناراضگی سے بچے۔"

اور زیادہ واضح الفاظ میں قرآن کہتا ہے کہ:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (التغابن:۱۶)

"جو اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے بس وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

ان ارشادات سے مراد یہ ہے کہ یہ ہر شخص کے فوز وفلاح کی دعوت ہے۔ جو اس پر لبیک کہے گا وہ خیر وفلاح سے ہمکنار ہوگا۔ یہ کسی خاص طرز معاشرت، کسی مخصوص رسم ورواج، کسی قبیلے یا قوم کی ثقافت کی دعوت نہیں ہے۔ اس کا معیار گروہی مفادات نہیں ہیں بلکہ خدا ترسی اور حق وانصاف ہے، اسی پیمانے سے وہ ہر چیز کو پرکھتی ہے۔

دین حق کی علم بردار کسی تحریک کو اگر حمیت مومنین عزیز ہے تو صرف اسی حد تک وہ اس کی پاسبان ہے، جس حد تک وہ اللہ کے دین سے ہم آہنگ ہیں۔ قوم پرستانہ اغراض ومقاصد اگر دینی اقدار اور مقاصد سے ٹکرائیں گے تو وہ محض اس لیے تحریک اسلامی کے مقاصد نہیں بن سکتے کہ نسلی اور قوم پرستانہ تقاضے ایسا ہی چاہتے ہیں۔ قرآن کریم اور سنتِ رسولؐ کی تفصیلی تعلیمات اس بارے میں قطعی ہیں کہ انسانیت عظمیٰ کا مفاد ان دونوں کے پیش نظر ہے۔ دیانت اور انصاف ان کا مطمح نظر ہے۔ اخلاق اور خدا ترسی ان کا نصب العین ہے۔ ان کی متعدد تعلیمات یہ بتاتی ہیں کہ تمام انسانوں کو فساد سے بچانا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اس نے اپنی مرضیات کی اتباع محض اس لیے واجب قرار دی ہے کہ انسان کا بھلا ہو، وہ فتنہ وفساد سے بچے۔ اس کے قانون کا نفاذ خود انسانوں کے اپنے فائدے کے لیے مطلوب ہے کسی گروہ کی حکمرانی اور بالادستی کے لیے نہیں۔ اس دین کے داعی اولؐ نے اسی لیے بار بار یہ اعلان کیا تھا کہ اقتدار اور دنیوی ناز ونعم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم اس کو عزیز ہیں۔ اس کی تمام تر جدوجہد اسی پر مرکوز ہے:

إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۙ وَ أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ○
(یونس: ۷۲)

''میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں ہو جاؤں۔''

امت مسلمہ کی موجودہ معاشرت تحریک اسلامی کی شناخت نہیں ہے

امت مسلمہ کی موجودہ معاشرت اس کے مفادات کے تحفظ اور اس کی ثقافت کے فروغ واستحکام کو بہت سے لوگ اسلام اور اسلامی تحریک کی شناخت اور اس کا نصب العین بھی قرار دیتے ہیں۔ مثلاً العروبۃ (Al-Urubah) کتاب کے مصنف نے پورا زور استدلال اس پر صرف کیا ہے کہ عرب ثقافت، اسلامی ثقافت کی بنیاد ہے۔ بعض دوسرے دیندار مفکرین یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان ملک اور گروہ کے مفادات بعینہٖ تحریک اسلامی کی ترجیحات میں شامل ہیں۔ مگر جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں عرض کیا گیا ہے، یہ موقف نظر ثانی کا محتاج ہے۔

دعوتِ حق کا فطری میدانِ کار

دعوتِ حق کے طویل سفر کے دوران ایک مرحلہ ایسا بھی پیش آتا ہے جبکہ مخاطب بستیوں اور افراد کی طرف سے مایوسی طاری ہونے لگی ہے شائقین دعوت یہ سوچنے لگتے ہیں کہ زمین بڑی سنگلاخ ہے، اور حالات نہایت صبر آزما ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ دعوتِ حق کی کھیتی کیسے پروان چڑھے گی؟ مایوسی اور بے زاری کے ان جذبات کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔ ان میں کچھ کا تعلق خارج سے ہو سکتا ہے اور کچھ کا سلسلہ دراز ہو کر داخل کی کیفیات تک پہنچتا ہے، ان دونوں قسم کے اسباب کا ادراک اور ان کا تجزیہ ضروری ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ تحفظ دعوت اور توسیع دعوت کے بظاہر متضاد تقاضوں کے درمیان ہم اس ضرورت سے یکسر غافل نہیں رہے ہیں۔ اگرچہ خارجی حالات پر ہماری توجہ زیادہ مرکوز رہی ہے، لیکن تحریک اسلامی کے بیدار مغز قائدین نے خود احتسابی کا دروازہ بھی کھولنے کی کوشش کی ہے۔

دعوت اور تربیت کا ایک فطری اور تدریجی طریق کار ہے جو ہم کو قرآن کریم اور سنت رسولؐ سے ملتا ہے، ہم بسا اوقات جوشِ دعوت میں اس کو نظر انداز کرنے کی غلطی کر جاتے ہیں اور جب اس جوشِ دعوت کو وہ مقبولیت نہیں ملتی، جس کی داعی تمنا کرتا ہے تو اس پر تھکن اور مایوسی کے جذبات طاری ہونے لگتے ہیں اور وہ اس کم یابی کے اسباب خارجی حالات میں تلاش کرتا ہے۔ یہ انسان کی فطری کمزوری ہے کہ وہ خود پر نظر ڈالنے سے کتراتا ہے۔ اس کے برعکس وہ حالاتِ زمانہ کی سنگینی اور مخاطب کی بدبختی اور کم نظری کو مجرم گردانتا ہے۔ مایوسی کے ان لمحات میں وہ یہ بھول جاتا ہے کہ تغیرِ احوال کا وہ مکلف نہیں ہے بلکہ اس کی ذمے داری صرف اتنی ہے کہ وہ باحسن وجوہ اور پورے انہماک سے اس تغیر کے لیے سرگرم عمل رہے اور اپنے کردار کو قبول دعوت میں حائل نہ ہونے

Marfat.com

دے۔ نتائج کو مُقَلِّبُ القلوب کے حوالے کردے۔ جو کچھ اس کے بس میں ہو، اسے کرے۔

دعوت و تربیت کا اولین میدان کار داعی کی اپنی شخصیت اور ذاتی کردار ہوتا ہے۔ وہ مخاطب تو تمام انسانوں کو کرتا ہے اس لیے کہ بندگی رب کا پیغام تمام انسانوں کے لیے نفع بخش ہے، لیکن اس کو سب سے پہلے اپنی فکر ہوتی ہے کیوں کہ اپنی اصلاح سب سے مشکل کام ہے۔ انسان کا نفس مسلسل اس پر آمادہ کرتا رہتا ہے کہ وہ اپنی کوتاہیوں کو یا تو نظرانداز کردے یا ان پر خوش نما دلیلوں اور بہانوں کے پردے ڈال دے۔ ہمارے اندر ایسے فریب زدہ لوگ پائے جاتے ہیں جو حوصلے کی کمی اور جدوجہد کی سردی کے لیے دوسروں کو ذمے دار ٹھہراتے ہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ ہم تو بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمارے ساتھی کوتاہ عمل ہیں، بے بصیرت ہیں اور دنیوی مشغلوں میں غرق ہیں۔ کبھی یہ سننے میں آتا ہے کہ عزیمت اور ایثار پسندی اوپر سے آتی ہے، لیکن اب ایسے رہنما کہاں رہ گئے۔ اب جو لوگ ہمارے قائد بن بیٹھے ہیں ان میں وہ خوئے دلنوازی کہاں جو خرمن دل میں آگ لگا دیتی ہے! کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ فرائض اور ذمے داریوں سے غفلت ہمارے رفقائے سفر کا شعار بن گئی ہے۔ یہ وہ چند بہانے ہیں جن کو پیش کرتے وقت بعض تحریکی ساتھی پوری چرب زبانی سے کام لیتے ہیں۔ انفرادی گفتگوؤں میں اور مجلسوں میں اس طرح کے عذرات تراش کر یہ لوگ بزعم خود اپنی ذمے داری سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔

اگر اس طلاقت لسانی سے متاثر ہو کر آپ ان افراد کی تلاش شروع کردیں، جن پر یہ الزامات صادق آسکتے ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کہنے والے خود ہی ان میں مبتلا ہیں۔ اسلام اصلاً دین عزیمت ہے۔ وہ کمزوروں کے لیے بھی پناہ گاہ فراہم کرتا ہے۔ لیکن رفعت مراتب ان کا مقدر ہوتی ہے جو عزیمت کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ تحریک اسلامی اور دعوت حق تو بدرجہ اولیٰ عزیمت کی راہ ہے، وہ دریا کے بہاؤ کے خلاف تیرنے کا حوصلہ سکھاتی ہے۔ جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی کہ وہ اس تحریک کا دامن تھام لے، اس نے ہوش و حواس کی سلامتی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ راہ عزیمت اختیار کرے گا۔ انبیاء علیہم السلام تمام کے تمام داعیان حق تھے اس لیے ان کی شان، شانِ عظیمت تھی۔ قرآن کریم اس پر شاہد ہے۔ رسول آخر صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اس کی روشن دلیل ہے، قرآن کریم میں حکم ہے:

وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (الزمر: ۱۲)

Marfat.com

''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں خود مسلم بنوں۔''

رسالت کے مرتبے پر فائز ہونے کے بعد یہ اعلانِ عزیمت کیا گیا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (الانعام: ۱۶۲)

''آپ کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری عبادتیں، میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔''

عزیمت کے اس مقام کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب بندے کو بار بار صبر کی تلقین کی اور یہ تسلی دلائی کہ ہم وہ سب کچھ دیکھ سن رہے ہیں جو دشمن تمہیں کہتے ہیں اور جس ظلم و ستم کے تم شکار ہو، وہ ہماری نظر میں ہے۔

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا (الطور: ۴۸)

''اور آپ اپنے رب کے اس حکم پر صبر کیجیے اس لیے کہ آپ ہماری نگاہ میں ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کو جس مقامِ عزیمت پر اللہ رکھنا چاہتا تھا، اس کا اندازہ اس ارشاد سے بخوبی ہوتا ہے:

وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا ۝ (بنی اسرآئیل: ۷۴، ۷۵)

''اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدمی نہ بخشی ہوتی تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھک جاتے، (اگر ایسا ہوتا) تو ہم آپ کو حالتِ حیات میں اور موت کے بعد دوہرا عذاب چکھاتے۔ پھر آپ ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاتے۔''

آپ کی شانِ عزیمت میں اللہ رب العزت کو ذرہ برابر بھی نقص گوارا نہ تھا کہ آپ جائز بشری جذبات کے تحت ایک حلال و طیب غذا سے مکمل احتراز فرمائیں، جیسا کہ سورہ تحریم کی ابتدائی آیات بتاتی ہیں یا خالص دعوتی جذبات کی رو میں ایک نابینا صحابی کی ضرورتِ تزکیہ سے وقتی طور پر صرفِ نظر کر لیں۔ (سورہ عبس)

آپؐ نے انسانوں کو یہ سبق سکھایا کہ دنیا کے سامانِ راحت اللہ تعالیٰ کی عنایات کا مظہر ہیں اور ان کا صحیح اور جائز استعمال اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری سے عبارت ہے، لیکن آپؐ کی شانِ عزیمت یہ تھی کہ کھجور کی چٹائی پر آرام کرتے تھے، روکھی پھیکی غذا پر اکتفا کرتے اور موٹے اور کھردرے

Marfat.com

لباس زیب تن فرماتے تھے۔ ایک زمانہ وہ آیا جب کہ آپؐ کے اشارہ چشم وابرو پر دنیا کی نعمتیں حاضر ہو سکتی تھیں۔ مگر آپؐ نے درویشی اور سادگی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔

پھر ایک دور آپؐ پر ایسا بھی آیا تھا جبکہ مکہ اور طائف کی جاں گداز پریشانیاں آپؐ پر گزر رہی تھیں۔ اس کے متعلق یہ حدیث سنیے:

عن أبی هریرةؓ قال: إن کان یمر بآل رسول اللّٰه الأهلة ما یُسرجُ فی بیت أحد منهم سراجٌ ولا یوقد فیه نار. إن وجدوا زیتا إدَّهَنُوا به. (ترغیب و ترهیب، جلد۴)

''حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے گھر والوں پر کئی مہینے اس حال میں گزر جاتے کہ ان میں کسی کے یہاں چراغ نہ جلتا اور نہ آگ جلانے کی نوبت آتی۔ اگر زیتون کا تیل مل جاتا تو سر میں لگا لیتے۔''

دوسری حدیث اس زمانے کے متعلق سنیے جبکہ آپ ﷺ کو اقتدار حاصل ہو چکا تھا:

عن ابن مسعودؓ: نام رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علٰی حصیر فقام وقد أثّر فی جنبه فقلنا: یارسول اللّٰه! لواتخذنا لک وطأ. فقال: مالی وللدُّنیا؟ ما أنا فی الدنیا إلا کراکب استظل تحت شجرة ثُمّ راح وترکها. (ترمذی)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر سوئے۔ جب آپؐ اٹھے تو چٹائی کے نشانات آپؐ کے پہلو میں ہم نے دیکھے، تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! اگر ہم آپؐ کے لیے کوئی گدا بنا دیں تو کیسا رہے گا؟ آپؐ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا مطلب؟ میں تو دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں، جس نے کسی درخت کے سائے میں کچھ دیر آرام کیا، پھر درخت اور درخت کے سائے کو چھوڑ کر سفر پر روانہ ہو گیا۔''

یہ اس نبی محترمؐ کا شعار تھا، جس کی زبان سے قرآن نے یہ اعلان کیا تھا کہ رہبانیت انسان کی خود ساختہ بدعت ہے، اور طیبات رزق اللہ تعالیٰ کی عنایات ہیں، جن سے بچنے کا مالک کائنات نے کبھی حکم نہیں دیا ہے۔ عزیمت کی اس رفعت پر پہنچنا کمزور انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے، ہم کو تو یہ حکم دیا گیا ہے:

اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَّ لِاَھْلِکَ عَلَیْکَ حَقًّا.

Marfat.com

''تم پر تمہاری جانوں کا حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا حق ہے۔'' (الحدیث)

اور قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے کہ:

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (القصص:۷۷)

''جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔''

اسلامی تعلیمات کی شان امتیازی یہی ہے کہ اس نے حسن استعمال سکھایا ہے، ترک دنیا نہیں۔ لیکن تحریک اسلامی سے ہماری وابستگی اس عزم کا شعوری اظہار تھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی دکھائی ہوئی راہ عزیمت پر چلنے کی کوشش کریں گے۔ زندگی کی متاع کو اس پر لگائیں گے جو وقت اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اسے اس کی راہ میں صرف کریں گے۔ جو وسائل اس نے عنایت کیے ہیں، وہ اس کے دین پر حتی المقدور لٹائیں گے۔ اگر فقیر اور قلندر نہ بن سکے تو اس طرح کا ذہن و مزاج بنائیں گے جو ''تکاثر'' نہ کہلائے۔ ہم ''دین وسط'' کی تعلیمات کا مجمل شعور رکھتے تھے اس لیے دنیا کو لات مارنے کی غیر اسلامی روش ہم نے کبھی اختیار نہ کی تھی۔ بلکہ دنیا طلبی سے بچنے کا عزم ہمارا زاد راہ تھا۔ اب ہمارا حال کیا ہے؟ ہم عزیمت کے بجائے رخصت کے متلاشی ہیں۔ ہم نے تحفظات کی دنیا بنالی ہے۔ دوسروں کو الزام دیتے دیتے ہم خود غرق ہوتے جارہے ہیں۔ آج کی دنیا میں روزی کے حلال اور پاکیزہ ذرائع کم یاب ہیں۔ اس لیے ہم بھی فقہی اور قانونی موشگافیوں کا سہارا لینے لگے ہیں۔ بدقسمتی سے ہماری ملت میں ایسے فقیہوں کی کمی نہیں ہے جو حدود اللہ کے آخری سرے پر پہنچانے میں ماہر ہیں۔ ہم میں کتنے ایسے ہیں جو احوال و ظروف کی تنگ ظرفی کا سہارا لے کر رفتہ رفتہ اوروں کے رنگ میں رنگتے جارہے ہیں۔

اپنے نصب العین سے عشق و محبت بڑی جدوجہد سے نصیب ہوتی ہے، لیکن سہل انگاری اور رخصت پذیری متعدی امراض ہیں۔ دوسروں کی عیب جوئی کرتے کرتے ہم میں بھی وہ عیوب پیدا ہوجاتے ہیں۔ گندگیاں اچھالنے والا کبھی آلودگی سے نہیں بچ سکتا۔ اپنے رفقائے کار کی سستی تلاش کرتے کرتے ہم میں یہ رجحان پیدا ہوجاتا ہے کہ جب سب راہ عزیمت سے فرار اختیار کرچکے ہیں تو ہم کو کیا پڑی ہے کہ ہم تن تنہا محاذ پر ڈٹے رہیں۔ مگر رخصتوں پر عامل کردار دفعتاً پیدا نہیں ہوتا۔ نہ بے وجہ پیدا ہوتا ہے۔ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ بعضوں کی زندگی میں

Marfat.com

فرائض عبودیت سے غفلت، دعوتی جدوجہد میں مصروفیت کے بہانے پیدا ہوتی ہے۔ کچھ لوگ اپنی سرگرمیوں کے دوران نماز باجماعت کا وقت نہیں نکال پاتے۔ کچھ اسلام کی علمی اور تحقیقی خدمات میں انہماک کے سبب اس میں کوتاہی برتتے ہیں، کچھ مہتم بالشان اسلامی کانفرنسوں میں ہم نے یہی دیکھا ہے۔ کچھ لوگ بزعم خود دین حق کی ترجیحات بدلنے لگتے ہیں۔ بعض قابل قدر نوجوان عزیمت اور جہاد کا سبق دیتے دیتے پہلے سنن اور نوافل کی اہمیت کم کرتے ہیں، پھر فرض نمازوں کی ادائیگی سے غفلت برتنے لگتے ہیں۔ کچھ لوگ شروع اس طرح کرتے ہیں کہ ''تراویح غیر ضروری ہے''، پھر رمضان المبارک کے مقدس ایام میں بھی جماعت کا اہتمام کرنے سے گریز کرنے لگتے ہیں۔ اور رسول اکرم کا یہ ارشاد بھول جاتے ہیں کہ:

الصلوةُ عماد الدين فمن أقامها أقام الدين ومن هدمها هدم الدين. (الحديث)

''یعنی نماز دین کا ستون ہے تو جس نے اس کو قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اس کو گرادیا اس نے دین کو گرادیا۔''

فرائض عبودیت بالخصوص نماز باجماعت کے اہتمام سے غفلت، اجتماعیت سے غفلت کا راستہ آسان کردیتی ہے، اسی طرح نفلی عبادتوں کو غلط تصوف کہہ کر ڈسمس کرنا، ایک مہلک رجحان ہے۔ ابتداً بعض سرگرم عمل ساتھیوں کے اندر یہ تردد پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے ست کار ہیں تو ہم کیوں سرگرم کار رہیں؟ بسا اوقات یہ محض بدگمانی پر مبنی ہوتا ہے۔ الحمدللہ تحریک میں ایسے لوگوں کا فقدان نہیں ہے جو عمر کے آخری مرحلے تک بھی سرگرم عمل ہیں۔ لیکن ڈھلتی عمر، قویٰ کو مضمحل کردیتی ہے، اس لیے اگر بوڑھے آگے نہیں بڑھتے تو ان کا بہانہ بنانا نوجوانوں اور ادھیڑ عمر کے لوگوں کو زیب نہیں دیتا۔ پھر تحریکی سرگرمیوں کے متعدد میدان کار ہیں۔ ہر کام ہر شخص نہیں کرسکتا۔ اس لیے ہر شخص کو اپنی صلاحیتوں اور اپنے رجحان کے مطابق میدان کار منتخب کرنا چاہیے، اور ان لوگوں کی ظاہری سستی کو اپنے لیے بہانہ نہیں بنانا چاہیے۔ یہ تردد بڑھتے بڑھتے جماعتی ذمے داریوں سے فرار میں تبدیل ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ معمول کے اجتماعات سے غیر حاضری بھی ہونے لگتی ہے۔ رفتہ رفتہ ذاتی مصروفیات تحریکی ذمے داریوں پر ترجیح پانے لگتی ہیں۔ ایک اور راہ سے بھی یہ کمزوری دراندازہوتی ہے۔ بعض لوگ تحریک کی رفتار کار اور اس کے طریق کار سے پہلے غیر مطمئن ہوتے ہیں، پھر اس پر تنقید کرتے ہیں جب ان کو گمان لاحق ہوجاتا ہے کہ ان

Marfat.com

کی تنقید سے اصلاح نہیں ہوتی تو رخصت کو شیوۂ زندگی بنا لیتے ہیں، اور وہی سب کچھ اپنی زندگی میں گوارا کر لیتے ہیں، جس پر وہ مضطرب تھے۔ ہمارے بعض رفقا اپنے پہلے دور میں سرگرمی عمل اور انفاق مال کے لحاظ سے اعلیٰ معیار پر فائز تھے۔ لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی ذاتی پسند کے مطابق کام نہیں ہو رہا ہے۔ ساتھ ہی ان کے رفقائے کار کی بعض کوتاہیوں کا انہیں علم ہو گیا تو انہوں نے پہلے انفاق سے دست کشی اختیار کی، پھر خاموشی سے اصلاح حال کے بجائے برملا بے زاری کا اظہار کرنے لگے، یہاں تک کہ ان کے ہم نشیں اور ان کے اہل خاندان سب ہی تحریک سے بے زار ہو گئے اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ عزیمت پر قائم ہیں۔ یہ بھی عجیب رخصت ہے، جس کو آپ بزعم خود ''عزیمت'' کا نام دیتے ہیں۔ عزیمت اس امر کا نام ہے کہ جس نصب العین اور جس طریق کار کے لیے آپ نے اجتماعی زندگی اختیار کی ہے، اس پر ثبات قدمی اور ذہنی یک سوئی سے قائم رہیں۔ اگر تفصیلات پر آپ کو اطمینان نہیں ہے تو یہ خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ دوسرے لوگ بھی عقل اور استدلال سے بہرہ ور ہیں اور وہ بھی تحریک کے مخلص خادم ہیں۔ اختلافات تو فطری ہیں۔ جب اجتماعیت فیصلہ کر لے تو یہ سمجھنا اور دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس میں خیر و برکت عطا فرمائے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ (آل عمران: ۱۵۹)

''اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو۔ جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اسے زیر عمل لاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔''

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ کا رجحان اجتماعیت کے لیے سم قاتل ہے۔ ایک عظیم فقیہ نے بہترین رویہ کی کیا خوب نشاندہی کی ہے:

رأيي صواب يحتمل الخطأ و رأيك خطأ يحتمل الصواب

یعنی میری رائے صحیح ہے کہ جس میں خطا کا امکان ہے اور تمہاری رائے غلط ہے، جس میں صحیح ہونے کا امکان ہے۔''

اسی طرح ہمارے بعض سمجھ دار اور سرگرم عمل ساتھیوں کا طرز عمل اجتماعیت کے خلاف ہے، وہ کچھ دُور تحریک کا ساتھ دیتے ہیں، اور کچھ دور دوسروں کا۔ انہیں اس نصب العین میں بھی کشش نظر آتی ہے اور دوسروں کے وقتی مقاصد میں بھی۔ وہ اگر اجتماعی فیصلوں کی بعض شقوں سے اختلاف کرتے ہیں تو صرف ان سے برملا اعلان برأت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ نیت پر بھی شبہ کرتے

Marfat.com

ہیں۔ یہ طرز عمل یا تو خود رائی کا نتیجہ ہوتا ہے یا نصب العین کے متعلق تذبذب اور تردد کا۔ یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ ہر محفل کی رونق بننا وہی چیز ہے، جس کو ملت اسلامیہ اور ملک کے عمومی مفادات کے لیے دوسرے گروہوں کی تائید کرنا اور حسب مقدور ان سے تعاون کرنا کہا جاتا ہے جو کہ تحریک کے پروگرام میں داخل ہے۔ مؤخر الذکر امر اجتماعی فیصلہ چاہتا ہے۔ کہاں کہاں دست تعاون بڑھانا چاہیے اور کس حد تک دوسروں کا ساتھ دینا چاہیے۔ یہ ہر فرد و بشر کی ذاتی پسند پر منحصر نہیں ہوتا۔ اگر ایسا کیا گیا تو انتشار فکر جنم لے گا اور اجتماعیت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ عزیمت استقامت چاہتی ہے، سرگردانی نہیں۔ مذکورہ رویہ تو رخصتوں کی آماجگاہ ہے۔ اپنے نصب العین سے تذبذب کردار میں ایک ایسی کمزوری پیدا کر سکتا ہے، جس سے فرد کو طلاقت لسانی سے بہکایا بھی جا سکتا ہے اور عز و جاہ کی لالچ کا شکار بھی بنایا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی سمجھ لینا چاہیے کہ صحت مند اور تعمیری اختلافات تحریکی پیش رفت کے ضامن ہیں۔ وہ کسی فکری یک رخی (Regimentation) کو صحیح نہیں سمجھتی، جس میں طریق کار اور ترجیحات عمل میں اختلاف گوارا نہ کیا جاتا ہو۔ اس طرح کے اختلاف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی رائے کے مطابق کوئی بھی فرد جس راستے پر چاہے چلے اور جن ترجیحات کو بزعم خود وہ صحیح سمجھتا ہو، ان کے مطابق اپنی سرگرمیاں ترتیب دے۔ تحریکی فیصلوں کو ہم نے کبھی بھی حق و باطل کا معیار نہیں سمجھا ہے اور نہ بعض خود فریبی میں مبتلا گروہوں کی طرح تحریک اسلامی کو حضرت نوحؑ کی کشتی قرار دیا ہے، جس کے باہر باطل ہی باطل ہے، البتہ ہم نے دو باتیں قرآن و سنت سے اخذ کی ہیں:

پہلی بات ہمارا نصب العین ہے، جو درحقیقت تمام ملت کا نصب العین ہے اور ہونا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ اس نصب العین کے لیے اجتماعیت شرط لازم ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے اجتماعی زندگی کے تقاضوں کو بھی قرآن و سنت سے اخذ کیا ہے۔ اب جس شخص کو ان بنیادوں پر اطمینان نہیں اس کو فکر و نظر کے تردد میں مبتلا ہونے کے بجائے اپنی پسندیدہ راہ اختیار کرنا چاہیے۔

جس طرح یہ ایک حقیقت ہے کہ تحریک اسلامی عزم و حوصلہ کی داستان لکھنے کی ایک حقیر، لیکن مبارک کوشش ہے۔ اس کو کم حوصلہ، پست ہمت، رخصتوں میں مبتلا، تزکیہ نفس سے غافل گروہ کی ضرورت نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کو ایسے لوگوں کی بھی ضرورت نہیں ہے، جن کی روش یہ ہو کہ۔

Marfat.com

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ

اس تحریک کی اساس، تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی پر رکھی گئی ہے، شُتر گربگی اس کی عین ضد ہے۔

استقامت اور عزیمت کی یہ شان ہمارے رہبر ﷺ کی زندگی کے ہر مرحلے میں جھلکتی ہے۔ اس رفعت مقام پر پہنچنے کے لیے آپ کو رات کی نیندیں حرام کرنی پڑیں۔ فرض نمازوں کے ساتھ آپ کو تلقین کی گئی کہ:

فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (بنی اسرائیل: ۷۹)

"اور رات کے حصہ میں تہجد پڑھا کیجیے جو آپ کے لیے زائد (عبادت) ہے۔ توقع ہے آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر پہنچائے گا۔"

آپ کو بتایا گیا کہ آپ رات کا بیشتر حصہ جاگ کر صرف کریں۔ اس لیے کہ آپ کا رب آپ پر گراں بار ذمے داری ڈالنے والا ہے۔ (المزمل) چناں چہ آپ نماز میں اتنا طویل قیام کرتے کہ آپ کے قدم ہائے مبارک میں سوجن آجاتی۔ اور جب آپ سے کہا گیا کہ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے گئے تو آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ تو آپؐ نے جواب دیا کہ:

أفلا أكون عبداً شكوراً؟ (بخاری عن المغیرہ بن شعبہ)

"کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

دعوتی جدوجہد کی طویل داستان عزیمت کے لیے آپؐ کی سیرت کا وہ رخ دیکھیے کہ آپ ﷺ کو مشفقانہ ڈانٹ سننی پڑی کہ "کیا آپؐ اس دعوت کے لیے اپنی جان ہی ہلکان کر ڈالیں گے؟" (الشعراء: ۳) عزیمت کی شان اس روایت سے بھی جھلکتی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ نبی ﷺ ایک نبی کا حال بیان کر رہے تھے وہ منظر میرے سامنے ہے آپؐ نے فرمایا: (دعوت الی اللہ کے جرم میں) قوم نے نبی کو اس قدر مارا کہ اس کا جسم خون سے لت پت ہو گیا۔ اس نے اپنے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے کہا: اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے، وہ نہیں جانتی۔ (بخاری، کتاب الدنیا)

Marfat.com

الغرض، حضرات انبیاءؑ علیہم السلام کا یہی اسوہ رہا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اپنے نفس پر توجہ کی کیوں کہ ان کو اس کا حکم دیا گیا تھا۔ فکر و عمل کی دورنگی سے ان کو دور کا واسطہ نہ تھا۔ چناں چہ انہوں نے اس کا اعلان بھی کیا اور اس طرزِ عمل کو اپنی زندگی کا شعار بھی بنالیا۔ وہ قول و عمل کی ہم آہنگی میں اتنے محکم تھے کہ اس کو اپنی دعوت کی صداقت کے لیے دلیل محکم کے طور پر پیش کرتے تھے۔

وَمَآ اُرِیۡدُ اَنۡ اُخَالِفَکُمۡ اِلٰی مَآ اَنۡھٰکُمۡ عَنۡہُ ؕ (ھود:۸۸)

''اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں ان کا خود ارتکاب کروں۔''

اور اَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کا ارشادِ گرامی بھی اسی کا مظہر ہے۔

اپنے نفس کے بعد دعوت و تربیت کے دوسرے مخاطب انسان کے اپنے قریب ترین اعزہ ہیں۔ سب سے پہلے اپنی اولاد ہے، اپنی بیوی ہے، اپنے اہل خاندان ہیں۔

قرآن کریم میں اس فطری تربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چناں چہ فرمایا:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَھۡلِیۡکُمۡ نَارًا (التحریم:٦)

''اے ایمان لانے والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو (جہنم کی) آگ سے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو دعائیں اس فطری تدریج کی مظہر ہیں:

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰھِیۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ ھٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجۡنُبۡنِیۡ وَ بَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ ؕ۝ (ابرٰھیم:۳۵)

''اور یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے رب! اس شہر کو امن والا بنادیجیے اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو بتوں کی پرستش سے بچائیے۔''

دوسری جگہ آپ کی دعا کے الفاظ یہ ہیں:

رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلۡ دُعَآءِ ۝ (ابرٰھیم:۴۰)

''پروردگار! مجھے اور میری ذریت کو نماز قائم کرنے والا بنادیجیے۔ اے ہمارے رب! ہماری یہ دعا قبول کیجیے۔''

سورۃ الفرقان میں عبادالرحمٰن کی صفات بتاتے ہوئے ان کی یہ دعا نقل کی گئی ہے:

رَبَّنَا ھَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعۡیُنٍ وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا ۝ (الفرقان:۷۴)

Marfat.com

''اے ہمارے رب، ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہمیں متقیوں کا امام بنا۔''

اس دعا میں اولاد کے ساتھ بیوی کا بھی واضح ذکر ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد ان کی پاکیزگی اور تقویٰ شعاری ہے، جس سے بندہ مومن کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے، اور دل کو سکینت۔ انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کو وہ خود پسند کرتا ہے اس سے اپنے محبوب اہل وعیال کو بھی مستفید کرنا چاہتا ہے۔ جس فکر ونظر کو وہ صحیح سمجھتا ہے، اس کو اپنے اعزہ واقربا تک نہ صرف پہنچانا چاہتا ہے بلکہ اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ بھی اس کو اپنا لیں۔ اور جس سے وہ خوف کھاتا ہے اس سے ان کو بچانا چاہتا ہے۔ پروردگار کی رضا سے زیادہ پسندیدہ کون سی چیز ہو سکتی ہے؟ اس کی جنت کی جستجو سے بڑی اور کون سی جستجو ہو سکتی ہے؟ خوف خدا سے زیادہ کون سا ڈر ہو سکتا ہے؟ انسان کی تمنا یہی ہوتی ہے اور ہونی چاہیے کہ جس ابدی خسران سے وہ بچنا چاہتا ہے اس سے اس کے اہل وعیال بھی محفوظ رہیں۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ دنیوی مال واسباب کے لیے جدوجہد کر کے وہ انہیں متمتع کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔ دنیوی ہلاکتوں سے وہ انہیں اپنی ذاتی کوششوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ مگر اخروی خسران اور ابدی ہلاکت سے ہر شخص خود اپنی ذاتی جدوجہد ہی سے بچنے کی توقع کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے متقی اور پرہیزگار بندے ہمیشہ اس اضطراب میں مبتلا رہتے ہیں کہ ان کے بیوی بچے، ان کے اعزہ واقربا اس صالح فکر وعمل کے وارث بن جائیں، جس سے وہ خود بہرہ ور ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو اس اہم فریضے کی طرف توجہ دلائی گئی تھی:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (الشعرآء: ۲۱۴)

''اور اے نبی! اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو (آخرت کی جواب دہی سے) ڈراؤ۔''

اس آیت کے نزول کے فوراً بعد ہی رسول اللہ ﷺ نے اپنے تمام اقرباء اور اعزہ کو جمع کر کے انہیں نار جہنم کا خوف دلایا تھا اور یہ تاکید کی تھی کہ نبیؐ سے ان کی قربت انہیں خدا کے عتاب سے نہیں بچا سکتی۔ (بخاری عن ابی ہریرۃ، کتاب الوصایا)

صالح اولاد کو صدقہ جاریہ قرار دے کر بھی نبی ﷺ نے اولاد کی تربیت کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ انسان کی موت کے بعد جب اس کے عمل کی مہلت ختم ہو جاتی ہے تو جو چیزیں کام آتی ہیں ان میں ولداً صالحاً کا بھی آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ (عن ابی ہریرۃ۔ ابن ماجہ)

ہر بندۂ مومن کی یہ تمنا ہونی چاہیے کہ اس کے اہل وعیال اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے غیض و غضب سے بچیں اور اس کے انعامات کے مستحق بن جائیں۔ یہی اس کی دعا ہوتی ہے اور یہی اس کی جدوجہد کا اولین مرکز۔ تحریک اسلامی کے ہر خادم کا تو خصوصی امتیاز یہی ہونا چاہیے کہ جس نصب العین کو اس نے اپنایا ہے، ساری دنیا اسے اپنا لے، بالخصوص وہ افراد جن سے وہ قدرتی محبت رکھتا ہے، جنہیں وہ لختِ ہائے جگر کے نام سے یاد کرتا ہے، جن کی ہر دنیوی تکلیف پر وہ بے چین ہو اٹھتا ہے، اور جن کی ہر خوشی سے اس کا دل سرشار ہو جاتا ہے۔ یہی اس کی آرزو ہونا چاہیے کہ جس حق کو اس نے پہچانا ہے، اور جس شعور سے وہ آشنا ہوا ہے، اس کو اپنے قریب ترین اعزہ اور اقربا تک منتقل کرے اور جس نصب العین نے اس کو سرفروشی کی تمنا بخشی ہے وہی اس کے ارد گرد شعلہ جوالہ بن کر حرارت پہنچائے۔ تحریک اسلامی سے وابستگی کسی سیاسی پارٹی یا وقتی ہنگاموں میں مصروف جماعت سے وابستگی نہیں ہے کہ ان کی طرف اپنے خاندان کو متوجہ کرنا آپ کی دینی ذمے داری نہ ہو۔ بلکہ یہ تو آخرت کا سودا ہے، اور آپ اسباب آخرت کے سوداگر ہیں۔ اس سرگرمی کو باہر ہی نہیں بلکہ اپنے گھر میں بھی جاری رہنا چاہیے۔ سلسلۂ دعوت اگر گھر کے اندر ٹوٹ جائے تو باہر اس کا انجام معلوم ہے۔

افسوس ہے کہ امت مسلمہ کے باشعور علماء اور دین دار حضرات بالعموم اس معاملے میں غفلت شعاری کا شکار ہیں۔ مگر تحریک اسلامی کے افراد بھی رفتہ رفتہ اس بے پروائی میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ بے پروائی کبھی کبھی بظاہر معقول عذر کے سبب سے ہوتی ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ تحریک کے اہم مسائل اور تقاضوں کے سبب ان کو اس طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ چناں چہ بیوی اور بچے یہ نہیں جانتے کہ ابا جان کس کام میں اپنی جان کھپا رہے ہیں۔ چناں چہ آزمائش کی گھڑی میں ان کی طرف سے اخلاقی مدد نہیں ملتی یا جھنجھلاہٹ اور بے نیازی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ بعض حضرات اپنی تمام تر توجہ دور کے لوگوں تک پیغامِ حق پہنچانے میں اپنی جان کھپاتے رہ جاتے ہیں اور اہل وعیال کو بھول جاتے ہیں۔

اس سہل انگاری کو ہم نے رفتہ رفتہ اس طرح بدلتے دیکھا ہے کہ تحریک اسلامی تو دور رہی، اسلام کی دینی اور اخلاقی تعلیمات کے خلاف طرزِ عمل کو گوارا کیا جانے لگتا ہے۔ بچوں کی محبت میں ہم میں سے اکثر لوگ ان کی دنیوی خوش حالی کی جدوجہد کے لیے وقت نکالتے ہیں اور

اس کی فکر بھی کرتے ہیں۔ لیکن تحریک سے عملی وابستگی پر توجہ صرف کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ تحریک اسلامی سے وابستگی کی اہمیت بہرحال ثانوی ہے لیکن دین حق کی اخلاقی تعلیمات کی پابندی کو بھی پروان چڑھانے سے گریز تو کہیں بڑا گناہ ہے۔ تقریبات میں اسراف مسلمانوں کا عام شیوہ بن گیا ہے، لیکن اگر تحریکی افراد بھی بچوں کی خوشی کا بہانہ بنا کر اسراف کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اس نصب العین کی خدمت ہوتی ہے یا اس کو صدمہ پہنچتا ہے؟ شادی کے معاملے میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

تُنکَحُ الْمَرْأَۃُ لأربعٍ لِمَالِهَا وَ لِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاکَ. (مسلم عن ابی ہریرہ، کتاب النکاح)

"عورت سے چار چیزوں کی بنیاد پر نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کی جائداد کی وجہ سے، اس کی خاندانی شرافت کی وجہ سے، اس کے حسن و جمال کے سبب اور اس کی دینداری کی بنیاد پر۔ تو تم دین دار عورت کو حاصل کرو۔ تمہیں خوش حالی نصیب ہو۔"

ہم غیر جانبداری سے اس امر کا جائزہ لیں کہ کیا یہی روش ہم نے اختیار کر رکھی ہے؟ آپ شاید اس تکلیف دہ صورت حال کے عینی شاہد ہوں گے کہ ہم بھی دوسروں کی طرح سب کچھ دیکھتے ہیں بہ جز دینداری کے۔ کیا دعوت حق اس طرح پروان چڑھ سکتی ہے؟ ہمارے بعض رفقائے سفر یہ کہتے ہیں کہ اہل خاندان کو بعض جلیل القدر انبیا نہ بدل سکے اور وہ حضرت نوحؑ اور برادران یوسفؑ کی مثال دیتے ہیں۔ لیکن یہاں زیر بحث انقلاب احوال نہیں ہے، بلکہ کوشش ہے، اس امر کی کوشش کہ دین حق سے متعارف کیا جائے، تحریک اسلامی کا شعوری نصب العین واضح کیا جائے، اور ان سے محبت کا داعیہ پیدا کیا جائے۔ افسوس اس امر کا نہیں ہے کہ افرادِ تحریک کے خاندانوں میں تحریکی شغف کیوں نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ افسوس اس کا ہے کہ ہم کوشش اور جدوجہد سے غافل ہیں اور وہاں بھی ہم کوشش سے گریز کرتے ہیں جہاں ہم اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثلاً غیر شادی شدہ لڑکیوں کا لباس اور ان کا طرز رہائش۔ ہم میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جہاں ہم نے اپنی لختِ جگر کو ان کے حوالے کیا ہے جو دین سے بے خبر یا بے زار ہیں۔ اُس ماحول میں جانتے بوجھتے انہیں ڈالا ہے جہاں فساد کے امکانات قوی ہیں۔ مجھے آج سے تیس برس قبل کا واقعہ یاد ہے جبکہ قاہرہ کی ایک غیر رسمی دعوت میں میرا تعارف اس وقت کے معتبر اور معروف عالم دین کی

Marfat.com

تیرہ چودہ سال کی بچیوں سے کرایا گیا تھا جو منی اسکرٹ پہنے ہوئے اور کھلے بال تھیں۔ اس وقت میں نے خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ ہندستان کے مسلمانوں میں بالعموم اور تحریک اسلامی کے افراد میں بالخصوص اس طرح کی بے حجابی نہیں ملتی۔ مگر آج جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ تحریک اسلامی ہند کے بعض ایسے رفقا کے گھروں میں بھی جنہوں نے دیار غیر میں قدم نہیں رکھا ہے، یہ چلن در آیا ہے تو بے ساختہ یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم رفتہ رفتہ کتنی دور پیچھے جا رہے ہیں۔ تحریک سے رسمی وابستگی نہ سہی، اسلامی اقدار اور اخلاق کا پاس ولحاظ تو بہت حد تک ہمارے قابو میں ہے۔

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ معاشی خوشحالی کے لیے ہم غیر شعوری طور پر یا بالارادہ اپنے بچوں اور زیر اثر اعزہ کو ایسی تجارت اختیار کرنے سے نہیں روکتے، جس میں اسلامی حدود کی پامالی ہوتی ہے۔ اگر وہ سودی بینکوں میں ملازمت کر رہے ہوں تو اس سے بھی ہم نگاہیں پھیر لیتے ہیں۔ رشوت اور جھوٹ اب ایک حد تک ناگزیر ہو گئے ہیں۔ مگر جب ایک دیندار اور داعی حق معمولی بہانوں سے ان میں مبتلا ہو جائے تو اسے آپ کیا کہیں گے؟ اگر مسلمان بھی جھوٹ بولے، صحیح اور غلط حسابات رکھنے میں مضائقہ نہ سمجھے، جب وہ بھی خالص اشیا میں ملاوٹ کرے، جب وہ بھی فریب اور خیانت پر مبنی زمین جائداد (Real State) کی تجارت کرے، تو آپ اس پر کیا کہیں گے؟

ان گزارشوں کا خدانخواستہ یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم میں اکثریت اس میں مبتلا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم پہلے جتنا ان چیزوں سے گھن کھاتے تھے، وہ کیفیت رفتہ رفتہ زائل ہوتی جا رہی ہے۔ عام ملت اسلامیہ تو ان برائیوں کے لیے فقہی عذرات تلاش کرتی رہتی ہے، لیکن اگر داعیان حق بھی اس رجحان کی پرورش کرنے لگیں تو اولاد کی تربیت کیا ہو سکے گی! خاندان میں تحریک اسلامی سے شغف کس طرح پیدا ہوگا؟ تناقضِ فکر وعمل کا ازالہ ہماری دعوت کے اولین اہداف میں شامل تھا۔ کیا اب ہم اس پر مطمئن ہیں کہ اب یہ ناممکن ہے؟ سود کے متعلق ہم نے بعض معتبر رفقائے کار سے سنا ہے کہ علماء میں اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ حالاں کہ دنیائے اسلام کے علماء کی دو معتبر تنظیموں (اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) اور ھیئۃ کبار العلماء ریاض) اور صد فیصد اسلامی ماہرین اقتصادیات، موجودہ بینک سود کو حرام سمجھتے ہیں۔ تحریک اسلامی ہند کا تو ہمیشہ یہی موقف رہا ہے۔ ایسی حالت میں فقہی جواز کے لیے کمزور رایوں پر انحصار عزیمت سے فرار نہیں ہے بلکہ اساسی تعلیمات سے گریز ہے۔

Marfat.com

جس تحریک دعوت کے وابستگان اپنی دعوت اور اپنے مشن کو اپنے اہل وعیال اور قریبی اعزہ تک پہنچانے میں مجرمانہ غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں وہ ان پر اپنی نشو ونما کے فطری راستے بند کر دیتی ہے۔ اس کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ مخاطب اعلیٰ اور ارفع اخلاق کی باتوں کو سن کر ہی متاثر نہیں ہوتا بلکہ داعی کی زندگی اور اس کے قریبی سماج کی زندگی پر نظر دوڑاتا ہے اور جب دونوں کے درمیان تضاد دیکھتا ہے تو نفور اختیار کرتا ہے۔ آج کا سماج تو منافقت اور دورنگی کا شاہ کار ہے۔ یہاں تو ہر شخص سچائی، دیانت داری اور حسن اخلاق کی بات کرتا ہے مگر عمل سے مجتنب رہتا ہے۔ یہاں تو دین ودھرم کے نام پر دکان سجانے والے بھی اس کی حقیقی برکات سے خود کو محروم رکھتے ہیں۔ ایسے سماج میں تحریک اسلامی کے داعی بھی اگر قول وعمل کے تضاد میں مبتلا رہے تو ان کا اثر کیا ہوگا۔ برائی آج ایک طاقتور سیلاب بن چکی ہے، اس کا سد باب صرف ایک طاقتور جوابی سیلاب سے ہی ممکن ہے۔ یہ سیلاب اپنے اور اپنے قریب ترین سماج کے اخلاق وکردار ہی سے پیدا ہو سکتا ہے۔

ہم نے بعض ایسے مخلص ساتھیوں کو بھی دیکھا ہے جو تحریک سے عدم اطمینان کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ ان کے بچے بھی اس بے زاری کا غیر شعوری طور پر شکار ہو جاتے ہیں۔ اصلاح احوال اس طرح نہیں کی جا سکتی کہ آپ جس فیصلے اور جس اقدام کو اپنی فہم کے مطابق صحیح نہ سمجھتے ہوں، اس کو حرز جان بنالیں اور خیر کے تمام دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر کے رفتہ رفتہ اپنے رشتے کو کمزور بھی کرتے جائیں اور اپنے ہم نشینوں اور محبوب اہل وعیال کو تحریک سے بے زار کرتے جائیں۔ یہ محض اندیشے یا بدگمانی کا اظہار نہیں ہے بلکہ مجھے ذاتی طور پر ایسے واقعات کا سامنا کرنا پڑا ہے جہاں انتہائی مخلص افراد کی اس بے احتیاطی کی وجہ سے ان کے اہل وعیال بھی بلا کسی راست معلومات کے انہیں تنقیدوں کو دہراتے ہیں اور بالآخر تحریک سے مخالف طرز عمل اختیار کر لیتے ہیں۔ آخر اس نتیجے کی ذمے داری کس پر ہے؟

اہل وعیال کے بعد تیسرا میدان کار ہمارے اپنے پڑوسی ہی ہیں۔ پڑوسیوں کی خبر گیری کے جو احکام قرآن وسنت میں منقول ہیں، ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بندہ مومن کی یہ دینی ذمے داری ہے کہ وہ عسرت میں، دادرسی کے علاوہ مرض اور آفات میں ان کی دستگیری کرے۔ ان کو اپنی زبان کی شر انگیزی سے محفوظ رکھے۔ ان تعلیمات میں کہیں بھی مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں کی گئی ہے۔ حسن سلوک کا مستحق اَلْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی اور اَلْجَارِ الْجُنُبِ (النساء:۳۶) کو

قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھوکے پڑوسی سے بے خبری کو ایمان کے منافی قرار دیا ہے، اور ایک روایت میں یہ بھی تاکید آئی ہے کہ وہ شخص مومن کہلانے کا مستحق نہیں ہے، جس کی شرانگیزی سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔ (بخاری و مسلم عن ابی ہریرہ)

ظاہر ہے کہ جب دنیوی مال و دولت میں پڑوسی کی دستگیری اور جسمانی تکلیف میں اس کی خدمت ایمان کی شان قرار دی گئی ہے تو مومن کی سب سے بڑی دولت کے بارے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی منشا یہی ہوگی کہ اس دولت کا وہ بدرجہ اولیٰ مستحق ہے۔ وہ شعورِ ایمانی اور وہ فکر و نظر جس کو داعی دور دور تک پھیلانا چاہتا ہے، سب سے پہلے اس کا مستحق اس کا پڑوسی ہوگا۔ اسلام کے اخلاقی اقدار کی پیروی مومن کا امتیازی کردار ہے۔ اس لیے کہ اسلام اعلیٰ اخلاق، سلامتی اور عدل و احسان کا دوسرا نام ہے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَ خْلَاقِ.

"میری بعثت اس لیے ہوئی ہے کہ میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں۔"

ظاہر ہے کہ مومن کا پڑوسی اس امر کا مستحق ہے کہ وہ ان فیوض و برکات سے مستفید ہو، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ دینِ حق اس کی نعمتوں کی معراج ہے، لہٰذا اس نعمت کو ان تک پہنچانا داعی کی ترجیحات میں شامل ہے۔ اس فضا کو پروان چڑھانے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے ایک بار اپنے خطبہ میں سرزنش کے انداز میں اپنے رفقاء کو مخاطب فرمایا تھا۔

خطب رسول الله ذات يوم فاثنى على طوائف من المسلمين خيرا. ثم قال: مابال أقوام لا يفقهون جيرانهم ويأمرونهم ولا يعظونهم و مابال قوم لا يتعلمون من جير انهم ولا يتفقهون ولا يتعظون؟ أو لأُعَاجِلَنَّهُمُ العقوبة ثم نزل. (طبرانی)

"ایک بار رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور مسلمانوں کے بعض گروہوں کی خیر سے تعریف کی۔ پھر کہا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو نہیں سکھاتے اور امر بالمعروف نہیں کرتے اور نہ ان کو نصیحت کرتے ہیں؟ اور لوگوں کو کیا ہوگیا کہ اپنے پڑوسیوں سے نہیں سیکھتے اور نہ تفقہ حاصل کرتے ہیں اور نہ نصیحت...... (اگر تم لوگوں نے ایسا نہ کیا) تو میں جلد ہی تمہیں سزا دوں گا۔ پھر ممبر سے اتر گئے۔"

مذکورہ بالا ارشادات پڑوسیوں کے ساتھ نہ صرف حسنِ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں بلکہ ان

تک دین کی دعوت پہنچانے کی بھی تعلیم دیتے ہیں اور ایسی فضا بنانا چاہتے ہیں کہ باہمی حسن سلوک اور علم و تعلیم وعظ و نصیحت رائج ہو۔ اگر ہم اس روشنی میں اپنی زندگی کا مطالعہ کریں گے تو ہمیں اپنی غفلت کا شعور حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان تمام پہلوؤں سے عام ملت اسلامیہ اور تحریک اسلامی کے افراد کو اپنا احتساب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم کو دعوتی سرگرمیوں کے لحاظ سے اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم پڑوسی کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ کیا ہم ان کو اپنی سرگرمیوں سے واقف کراتے ہیں؟ یا ہمارا حال اس کے برعکس ہے کہ ہم دور دراز کے علاقوں پر اپنی توجہ صرف کرتے ہیں لیکن پڑوس کے انسانی حقوق سے لاتعلق رہتے ہیں۔ پڑوس میں مسلمان بھی ہوسکتے ہیں اور غیر مسلم بھی۔ اول الذکر کا یہ حق ہے کہ وہ ہمارے نصب العین سے واقف ہو۔ اس کو یہ بات سمجھائی جائے کہ ملت اسلامیہ، خیر امت کیوں ہے۔ دنیا کے ہنگاموں کے دوران اس کا فریضہ کیا ہے، آج کے زمانے میں یہ بھی اسے بتانا ضروری ہے کہ دین حق صرف عبادات اور چند رسومات کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ یہ پوری زندگی کو محیط ہے، اور بحیثیت ایک مومن کے اس کی ذمے داری ہے کہ دنیا میں پھیلے ہوئے فساد کا سدباب کرنے پر اپنی توجہ مبذول کرے۔ اور اگر پڑوسی غیر مسلم ہے تو اس کو دین حق سے متعارف کرانا چاہیے۔ اس کو بندگی رب کی دعوت دینا چاہیے اور حکمت اور موعظہ حسنہ کے اہتمام کے ساتھ اس کو شرک والحاد کی ہلاکت خیزی سے واقف کرانا چاہیے۔ اس فریضے سے غفلت کی وجہ سے ہمارے غیر مسلم بھائی صدیوں سے ہمارے ساتھ رہنے کے باوجود یہ نہیں جانتے کہ قرآن کی تعلیمات کیا ہیں۔ محمد ﷺ کیا پیغام لے کر آئے تھے۔ چنانچہ کتنی بڑی بدنصیبی کی بات ہے کہ چند برس پہلے جب پٹنہ ہائی کورٹ نے دوران پابندی جماعت کے متعلق فیصلہ دیا تھا تو اس میں یہ جملہ بھی تھا کہ "یہ لوگ محمد ﷺ کی پرستش کرتے ہیں"۔ حالیہ چند برسوں میں جب جماعت اسلامی ہند نے مختلف حلقوں میں تعارف قرآن اور تعارف سیرت کی مہم چلائی تو اس دوران نہ صرف یہ کہ غیر مسلم بھائیوں کی طرف سے غیر معمولی اشتیاق کا اظہار ہوا تھا بلکہ یہ شکایت بھی کی گئی تھی کہ مسلمانوں نے ہم کو کبھی کچھ نہ بتایا۔ اس طرح پڑوسیوں سے حسن سلوک اور محبت کرنا ہمارا فریضہ ہے۔ اگر پڑوسی مسلمان ہو تو اس کے حقوق کا تفصیلی ذکر قرآن وسنت میں دیکھا جاسکتا ہے، لیکن اگر پڑوسی غیر مسلم ہو تب بھی وہ داعی کے حسن سلوک کا مستحق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اس معاملے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے:

عن عقبہ بن عامرؓ، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
أول خصمين يوم القيامة جاران. (مشکوۃ)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن جن دو آدمیوں کا مقدمہ سب سے پہلے پیش ہوگا وہ دو پڑوسی ہوں گے۔''

ایک دوسری حدیث میں پڑوسی کے حقوق کی تفصیل بتائی گئی ہے:

أتدري ماحق الجار؟ إذا استعانك أعنه و إذا استقرضك أقرضته و إذا افتقر عدت عليه و إذا مرض عدته و إذا أصابه خير هنأته و إذا اصابته مصيبة هذبته...... إلى آخر الحديث.
(عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده. ترغيب و ترهيب)

''کیا تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا کیا حق ہے؟ اگر وہ مدد کا طالب ہو تو اس کی مدد کرو، اگر وہ قرضہ مانگے تو اس کو قرضہ دو، اگر وہ فقر و فاقہ کا شکار ہو تو اس کو نفع پہنچاؤ۔ اگر وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کرو۔ اگر کوئی مسرت اس کو حاصل ہو تو مبارک باد دو، اگر مصیبت میں گرفتار ہو تو صبر کی تلقین کرو'' ......الیٰ آخر الحدیث۔

اس طرح کی حدیثوں میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں ملتی۔ بلکہ اس کے برخلاف آپ کو یہ ملے گا کہ غیر مسلم پڑوسی اگر مظلوم ہو تو اس کی دادرسی کے وسائل اختیار کرو اور عمومی احسان کی روش اختیار کرو۔ غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ اگر ہم وہ رویہ اختیار کرتے، جس کی ان تعلیمات میں ہدایت کی گئی ہے تو اس ملک میں نفرت اور عداوت کا وہ سیلاب نہ آ سکتا، جس سے آج امت محصور ہے۔ داعیان حق کو اس بات کا علم ہونا ضروری ہے کہ اس دور میں بے شمار ایسی مثالیں ہیں کہ محض پڑوسی مسلمان کے حسن سلوک کے نتیجے میں لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس ایسی افسوسناک مثالیں بھی ہیں کہ داعیان حق کی بے پروائی اور لاتعلقی اور عام انسانوں جیسے جھگڑالو رویے کی وجہ سے غیر مسلم پڑوسی ان سے اور ان کی دعوت سے متنفر ہوئے ہیں۔

اوپر جو کچھ بھی کہا گیا ہے، اُسے بے جا الزام تراشی نہ سمجھیے اور نہ یہ سمجھیے کہ لکھنے والا ان تمام خامیوں سے خود کو مبرا سمجھتا ہے، اور نہ یہ کہ ان کوتاہیوں میں خدانخواستہ تحریک اسلامی کے کارکنان کی اکثریت مبتلا ہے۔ الحمدللہ عام امت مسلمہ میں اور تحریک اسلامی کے عام افراد میں ان تعلیمات پر عمل کرنے کا جذبہ موجود ہے، ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ان پر توجہ کو ہماری ترجیحات میں اولین مقام ملنا چاہیے۔ وباللہ التوفیق.

Marfat.com

ملت کے باہمی انتشار کا المیہ

اگر پوری بستی آگ کی زد پر ہو مگر کچھ لوگ صرف اپنی پگڑی سینے سے لگائے کھڑے ہوں اور اپنے ہی محلے کے دوسرے لوگوں پر انگارے برسا رہے ہوں تاکہ وہ اور ان کی پگڑی محفوظ رہے تو آپ اسے دیوانگی کہیں گے یا فرزانگی؟ اگر باہر سے طوفان برق وباد کی مسلسل یلغار ہو اور کشتی میں ان گنت سوراخوں سے پانی بھر رہا ہو، مگر ناخدا کشتی کے اُسی تختے کو بچانے کی فکر میں مبتلا ہو، جس پر وہ خود سوار ہے تو کشتی غرق ہوگی یا ساحل سے ہم کنار ہوگی؟ اگر آپ کی بنیادی قدروں کو پامال کیا جا رہا ہو، اگر آپ کی زندگی اجیرن ہو رہی ہو، اگر خود اپنے ہی فرزندوں کا شعار حیات سیکولر اور مادہ پرست تہذیب کے رنگ میں ڈھل رہا ہو، اگر آئے دن آپ ہی کے بچے اور بچیاں غیروں کی ثقافت کے دلدادہ ہو رہے ہوں اس وقت آپ کے قائد صرف اس فکر میں مست ہوں کہ اُن کی درس گاہ محفوظ رہے اور اُن کی بزرگ شخصیتیں اور اُن سے وابستہ عقیدتیں پروان چڑھتی رہیں تو صرف آپ ہی کے نیچے سے نہیں بلکہ سب کے نیچے سے زمین کھسک جائے گی اور آپ کا پورا خانماں برباد ہوگا۔ اس لیے کہ خارجی سیلاب ہمہ گیر ہے اور داخلی قوت کو دیمک ہر طرف سے چاٹ رہی ہے۔ باہر سے آنے والا فساد چاہے کتنی ہی ہمہ گیر ہو، اُس کو کامیابی صرف اس وقت ملتی ہے جب اندر سے فساد کے کارکن مل جاتے ہیں اور فساد کے چھوٹے چھوٹے سوتے اس سیلاب سے مل جاتے ہیں جو باہر سے آتا ہے۔ اس المیے کا سب سے دردناک پہلو یہ ہوتا ہے کہ اس فساد کا ہر کارکن اپنے کو خیر کا خدمت گار سمجھتا ہے اور دوسروں کو سرتاپا شر گردانتا ہے۔ اس کھیل میں وہ یہ بھول جا[تا] ہے کہ باہر سے آنے والا فساد جب آئے گا تو وہ کسی کو نہیں بخشے گا۔ اس ٹریجڈی کا سب سے اذ[یت] ناک پہلو یہ ہے کہ اس کے ہر ایک ایکٹ کے کردار ملت اسلامیہ کے قائد ہیں...... اس

Marfat.com

قائدین بھی اور اس کے دانشور اور مصلح بھی! بے چارے عوام تو صرف شکار ہیں۔ انہیں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ باہمی جنگ و جدل ہی دین حق کا تقاضا ہے۔ لہٰذا اس پر اپنی جان قربان کرنا کار ثواب ہے۔ جب کہ ان بے چاروں کو یہ نہیں معلوم کہ دین حق کا جوہر کیا ہے اور اس کے خس و خاشاک کیا ہیں۔ مغز کیا ہے اور چھلکے کون سے ہیں۔ دور حاضر میں داؤ پر کیا لگا ہے؟

کچھ برسوں سے ہندستان کے پُرخطر حالات میں یہ اُمید پیدا ہو چلی تھی کہ ملت کے دینی قائدین اپنے فروعی اختلافات کو بھلا کر اسلام کے بنیادی مفادات اور دین کی اساسی قدروں کے تحفظ کے لیے سیسہ پلائی دیوار بن جائیں گے۔ مگر وائے صد حیف! کہ یہ آرزو خاک میں ملتی نظر آرہی ہے۔ باخبر علما کی ترجیحات بدل رہی ہیں۔ اُن کے جذبات درخت کی پھنگیوں اور شاخوں سے وابستہ ہو رہے ہیں۔ جڑ کی فکر کسی کو نہیں ہے۔

جب سے ملت اسلامیہ پر اضمحلال طاری ہوا ہے اور جب سے وہ زوال کے سفر پر گام زن ہوئی ہے، اس کے دینی رہبر تحفظ مسلک اور دفاع مذہب کو اصل دین پر ترجیح دینے لگے ہیں۔ اس بے دانشی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ رفتہ رفتہ اس کی اجتماعی قوت کمزور پڑتی گئی۔ حریفوں کی نظر میں اس کی ہوا اکھڑ گئی۔ زمانہ جو اس کی روش پر گہری نظر رکھتا ہے، یہ سمجھ گیا کہ بظاہر یک جان دو قالب نظر آنے والے اس گروہ کے افراد کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں، لہٰذا دشمنوں نے مسلکی اور گروہی اختلاف کو ابھارنے میں غیر معمولی دلچسپی لی، ایسی سازشیں رچی گئیں کہ باہمی بُعد اور منافرت بھڑکتے ہوئے شعلوں میں تبدیل ہو جائے، دین حق کے ماننے والے اپنے مسلک سے اختلاف رکھنے والوں کو ضال و مضل اور کافر قرار دینے لگیں تا کہ ان کی بے زاری باطل کے بجائے خود اپنے ہی بھائیوں کے خلاف مرکوز ہو جائے، ان کی اجتماعی قوت، طاغوت کے ازالے پر لگنے کے بجائے اپنے فقہی مسالک اور تاریخی اختلافات کے تحفظ اور اس سے متغایر نقطہ نظر کے سدّباب پر صرف ہونے لگے۔ جب دین حق کے حاملین باہمی جنگ و جدال میں مبتلا ہو جائیں گے تو طاغوت چین کی بانسری بجائے گا۔

ہندستان میں بعض فقہی گروہوں نے اس اختلاف کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے جو طرز عمل اختیار کیا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ بے حکمتی اور بے خبری کی دلیل ہے بلکہ دین حق کی ترجیحات کو تلپٹ کرنے کی واضح مثال ہے۔ ایک گروہ نے تقلید کا بیڑہ اٹھایا ہے اور دوسرے نے

Marfat.com

جواب میں اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے گا۔

ہم یہ کہنے کی جرأت تو نہیں کر سکتے کہ ہمارے دینی قائدین ملت اسلامیہ کے حالات سے ناواقف ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ اس ملت کے ہمہ جہتی ضعف اور زوال پر یہ مصرع صادق آتا ہے: ع تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

یہ سب عالم اور باخبر حضرات ہیں۔ ان میں سے بیشتر ایسے ہیں جو اس دین کے رمز شناس ہیں۔ لیکن خون کے آنسو ضرور رو سکتے ہیں کہ اس مظلوم ملت کو ضرب پہنچانے میں وہ باہر کے حریفوں کو بالواسطہ تقویت پہنچا رہے ہیں۔ ان کو یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ مومن جماعت کی صفت قرآن کریم میں بنیان مرصوص بتائی گئی ہے۔ ہمارے رسولؐ نے اس مومن گروہ کی مثال ایک ایسے جسم سے دی ہے، جس کا اگر ایک عضو درد میں مبتلا ہوتا ہے تو پورا جسم بخار زدہ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہر مومن دوسرے مومن کا بھائی ہوتا ہے۔ وہ قرآن کریم کی اس ہدایت سے نہ صرف باخبر ہیں بلکہ اپنے عوام کو اس کی تلقین بھی کرتے رہتے ہیں کہ:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (ال عمران:۱۰۳)

''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔''

وہ بخوبی جانتے ہیں کہ قرآن کریم نے مومنین کو یہ وارننگ دی ہے کہ:

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال:۴۶)

''اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

وہ قرآن کریم کی اس آیت کا درس بھی دیتے ہیں کہ:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (التوبہ:۷۱)

''مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔''

ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک قرآن کی اس آیت سے بھی وابستہ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:۲۹)

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں نرم خو ہیں۔''

Marfat.com

ہمارا کلیجہ اس سے بھی پاش پاش ہو جاتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ دین سے باخبری کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے باوجود مخصوص فقہی مسلک میں یقین کو عقیدے کا درجہ عطا کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ ہوں یا امام مالکؒ، امام شافعیؒ ہوں یا امام حنبلؒ، ان کی جلالت شان سر آنکھوں پر، لیکن یہ سب قرآن وسنت کے متبع تھے، اُن سے وہ ہدایت اور قانون کا استنباط کرتے تھے، انہوں نے اپنے زمانے اور وقت کے مطابق اس سرچشمۂ ہدایت سے رہنمائی حاصل کی۔ یہی اُن کی عظمت ہے، اور یہی ان کی جلالت شان لیکن یہ بات نہ انہوں نے سکھلائی اور نہ ان کے جلیل القدر اخلاف نے کہ ان کے اقوال پر ایمان رکھنا، عقیدہ اسلامی کا جزو ہے۔ قرآن کریم نے تو یہ تعلیم دی تھی:

فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ
(النسآء: ۶۵)

''اے محمد! تمہارے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔''

اس سے زیادہ واضح ہدایت قرآن کی اس آیت میں مضمر ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (النساء: ۵۹)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔''

یعنی یہ کہ آخری مرجع کوئی اور نہیں بلکہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہے۔ وہ اس امر سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ فقہی اختلافات، فہم اور تعبیر کے تنوع سے مستنبط ہیں اور یہ کہ ہر مجتہد اجر وثواب کا مستحق ہے چاہے اس کی رائے ناصواب ہی کیوں نہ ہو۔ اس تنوع کی بنیاد پر اہل ایمان کے کسی گروہ کو کافر اور گمراہ نہیں قرار دیا جا سکتا اگر وہ ایمان اور عقیدے کی اساسیات پر قائم ہو۔

اس وقت ملت اسلامیہ کی ایمانی اور عملی کیفیات کا جو عالم ہے، اس کا اگر کسی کو ذرا بھی شعور ہو تو اس مسلکی صف بندی کو دیکھ کر حیرت اور افسوس میں مبتلا ہو جائے گا کہ مریض اور اُس کے مسیحا، دونوں ہی درد کی کیفیت اور اس کے علاج سے کس قدر غافل ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسولؐ پر ایمان معرض خطر میں ہوں تو اس بحث سے کیا فائدہ کہ رسول اللہ ﷺ،

عالم الغیب تھے یا نہیں۔ جدید تعلیم اور مادہ پرست تہذیب نے ہمارے جیالے سپوتوں کے ایمان کی چولیں ہلا دی ہیں۔ جن کا ایمان مجمل طور پر سلامت ہے، وہ بھی اس ایمان کے بنیادی تقاضوں سے یا تو ناواقف ہیں یا شک میں مبتلا ہیں۔ ہمارے علماء کو شاید جدید ذہن کی گتھیوں سے براہ راست واسطہ نہیں پڑا ہے۔ ورنہ وہ جانتے کہ تعلیم یافتہ مرد اور خواتین قرآن کریم کو مقدس کتاب جاننے کے باوجود، اس کے احکام اور ہدایات میں تبدیلی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، اگر زمانہ اس کا متقاضی ہو۔ مسلمانوں کے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں بھی مصروف نونہالان چمن، توحید اور رسالت کے معانی اور تقاضوں سے بے خبر ہیں، اور اگر باخبر ہیں بھی تو ان کو صرف رسمی عبادات تک محدود سمجھتے ہیں۔ ہماری ملت کی ایک معتد بہ تعداد اس حقیقت پر یا تو ایمان نہیں رکھتی یا شک میں مبتلا ہے کہ آخرت ہی نہیں بلکہ دنیا کی فلاح بھی اس دین سے وابستہ ہے۔ مغرب نے اُسے یہی سکھایا ہے کہ دین اور عقیدے کا تعلق صرف نجی زندگی سے ہے۔ اجتماعی زندگی کو عقل اور تجربے کے تحت گزارنا ہی احسن ہے۔

اگر خود نماز سے غفلت ہمارا اشعار بن گئی ہو، یا بنتی جا رہی ہو تو آمین بالجہر پر کلامی بحث کرنے کا کیا موقع ہے؟ اگر نفس مسجد ہی حریفوں کی زد پر ہو، اگر دینی تعلیم فی نفسہ، تشدد اور ظلمات پرستی کا سرچشمہ قرار دی جا رہی ہو تو یہ بحث کہ کون سی مسجد دیوبندیوں کی ہے اور کون سی سلفیوں کی ہے، صرف خودکشی ہے اور کچھ نہیں! جب حریف، مسجدیں تباہ کریں گے تو وہ یہ نہیں دیکھیں گے کہ یہاں حنفی نماز پڑھتے ہیں یا اہل حدیث حضرات! اگر نماز سے دوری پروان چڑھتی رہی تو اس سے آمین بالجہر کہنے والے بھی متاثر ہوں گے اور آمین بالسر کہنے والے بھی!

اگر خود عفت اور پاک دامنی کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہوں، اگر خاندان کا تقدس اور مسلم سماج میں اس کی کلیدی اہمیت مادہ پرستی اور خود غرضی کے سیلاب کی بھینٹ چڑھ رہے ہوں، اگر عائلی اور ازدواجی زندگی میں عدل و احسان کو جوتی کی نوک پر رکھا جا رہا ہو تو اس نزاع کا کیا فائدہ کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں مغلظ ہوتی ہیں یا رجعی! اور اگر خواتین کی مظلومیت کے شواہد ناقابل تردید ہوں، اگر کسی خاص فقہی حکم کی تعلیم، کھلم کھلا ظلم کا ذریعہ بنائی جا رہی ہو تو دینی قائدین کو کس چارہ کار کا انتخاب کرنا چاہیے:...... عدل و احسان کی بنیادی ہدایت کی پیروی کا یا کسی خاص فقہی تعبیر کے تحفظ پر اصرار کا؟ اگر آپ کو اس کی فرصت ملے تو اپنے سماج کا جائزہ لیجیے۔ بڑھ

Marfat.com

لکھی خواتین کی اکثریت اور ناخواندہ، نا کتخدا لڑکیاں، سب اس رجحان سے متاثر ہیں۔ ظلم و زیادتی، مقتدر افراد کی عام کمزوری ہے۔ اگر اس پر پابندی نہ عائد کی جائے تو وہ خود غرضانہ مفادات کا جویا رہتا ہے۔ خوف خدا کی عدم موجودگی کے تلخ ثمرات ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ جاہل عوام کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو طلاق نہیں دیتی ہے تو بیوی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتی ہے۔ کتنے ایسے شواہد ہیں جہاں طلاق ثلاثہ کے بعد بھی مرد اور خاتون، شوہر اور بیوی کی طرح رہتے ہیں اور تا عمر، گناہ کی زندگیاں گزارتے ہیں۔ جس سماج میں بے حیائی اور عریانی، تعلیم یافتہ نا کتخدا خاتون کو مرغوب ہو۔ وہاں پر تقویٰ اور خدا ترسی، عدل و احسان کی پامالی ہماری توجہات کا مرکز ہونا چاہیے یا مسلکی نزاعات! یہ مقام غور و فکر ہے۔ قرآن و سنت نے ہمیں تعلیم دی تھی کہ مومن کی جان و مال اور عزت و آبرو پر دست درازی حرام ہے، اگر مسلکی اختلافات کی بنیاد پر ان سب کو نہ صرف یہ کہ جائز قرار دیا جائے بلکہ ان کی پامالی پر ابھارا جائے تو یہ دین حق کی پیروی ہے یا اس کے خلاف ڈھٹائی! اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا (النساء: ۹۳)

"جو شخص کسی مومن کو دیدہ و دانستہ (ناحق) قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔"

مگر ہمارے سماج میں ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک کے افراد کے قتل تک کو کار ثواب سمجھتے ہیں۔ راقم السطور کو اپنے اوائل عمر کا ایک واقعہ یاد ہے جب کہ مدح صحابہ کے علم بردار حضرات نے اس کے مخالف گروہ کے ایک نوجوان کو قتل کر دیا تھا اور قتل کرنے والا خود کو غازی تصور کرتا تھا جبکہ مقتول کے حامی اور مددگار اس مقتول کو شہید گردانتے تھے۔ جنوبی ہند کے ایک علاقے کے لوگوں نے مخالف مسلک کی مسجد کے امام کو حال ہی میں قتل کر دیا تا کہ وہ اجر و ثواب حاصل کر سکیں (یاللعجب!) پڑوسی ملک میں شیعہ سنی مسلک کے لوگ مسجدوں میں ایک دوسرے کو گولیوں سے بھون ڈالتے ہیں اور اپنے اس المناک طرز عمل کے دوران مسجد اور قرآن کریم کی حرمت کو بھی بھول جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

ألا إنّ اللّٰهَ حرّم عليكم دماء كم وأموالكم كحرمة يومكم هذا في بلد كم هذا في شهر كم هذا. (بخاری، عن ابن عمر)

Marfat.com

"خبردار! آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ نے تمہاری جان و مال کو تمہارے لیے ٹھیک اسی طرح محترم قرار دیا ہے جس طرح تمہارے اس مہینے میں آج کے تمہارے اس دن کو محترم قرار دیا ہے۔"

اور مسلمان کے عیوب پر پردہ ڈالنے کی ہمارے آقاؐ نے اس طرح ترغیب دی ہے:

ومن ستر مسلماً ستره الله یوم القیامة. (بخاری و مسلم. عن ابن عمر)

"جس شخص نے کسی مسلمان کے عیوب کی پردہ پوشی کی تو اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کے عیوب پر پردہ ڈال دے گا۔"

مگر ہمارے اپنے ملک میں متعدد دینی رسائل و جرائد ایسے شائع ہوتے ہیں، جن میں زور کلام اپنے مسلک کے دفاع پر صرف کیا جاتا ہے۔ گویا حقیقی خطرہ اس مسلک کو لاحق ہے، اور دوسرے مسلک کے لوگوں کو نہایت فراخ دلی سے ضال و مضل اور مشرک تک قرار دیا جاتا ہے اور اس طرح یہ فضا بنائی جاتی ہے کہ عوام کو یہ یاد نہ رہے کہ عمومی فسق و فجور اور ایمان کا اضمحلال، خطرہ ہے نہ کہ فقہی اختلاف، تاکہ ان کی نظر میں اپنے مسلکی بزرگوں کی عقیدت، دین و ایمان کے مساوی بن جائے۔ اس تناظر میں اگر "دیوبندیت" نام کی کتاب کی اشاعت کی جائے یا اس کا رد کیا جائے تو یہ خدمتِ دین ہے یا انہدام دین؟ ہم سب انسان ہیں اور ہمارے بزرگ بھی اپنی جلالت شان کے باوجود انسان تھے۔ ان کی خوبیوں اور نیکیوں کی تشہیر کرنے سے دین سے عقیدت بڑھتی ہے، اس کو فروغ ملتا ہے۔ لیکن اگر اُن کی غلطیوں کا اشتہار دیا جائے تو صرف ان سے ہی نہیں بلکہ دین کے تمام رہبروں کی وقعت گھٹتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے غالباً حالات کی اس سنگینی کے پیش نظر یہ ارشاد فرمایا تھا کہ:

مَنْ قَالَ: لا إلٰه إلا الله دَخَلَ الجنةَ

"یعنی جس کسی نے لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ ادا کیا وہ (قطع نظر مسلکی اختلاف، رنگ و نسل و زبان کے فرق کے) جنت کا مستحق ہو گیا۔"

کتنے ستم ظریف ہیں وہ لوگ جو محض تفصیلی امور میں رایوں کے فرق پر کفر و ایمان یا ضلالت اور ہدایت کا فیصلہ کر ڈالتے ہیں!

ملت اسلامیہ ہند کی یہ حالت ہے کہ ان کا تجارتی طبقہ سود کا کھلے بندوں ارتکاب کرتا ہے، معاملات میں خیانت اور بددیانتی کے لیے عذر تلاش کرتا ہے۔ شراب نوشی کی روش کو اختیار کرنے میں غیروں سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا بلکہ اُس کو ترقی کا زینہ سمجھتا ہے۔ بڑے شہروں میں

Marfat.com

نوجوان مسلم خواتین فائیو اسٹار ہوٹل میں شراب کی خدمت گاری (Bar tender) کا پیشہ اختیار کرتی ہیں۔ ہمارے حوصلہ مند نوجوان اسمگلنگ اور جرم میں ملوث ہوتے ہیں۔ زنا کاری کے اڈے قائم کرنے میں برادران وطن کا ساتھ دیتے ہیں، جیسا کہ حال ہی میں پرانی دہلی کے ایک علاقے میں پولس نے قحبہ گری کے ایک اڈے کے کارپردازوں کا جب انکشاف کیا تو اس میں مسلم نوجوان بھی شامل تھے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیمات کے ساتھ اس بازی گری سے دینی قائدین کی نیندیں حرام نہیں ہوتیں۔ نہ ان کے سدباب کے لیے ان کا پتہ پانی ہوتا ہے۔

ان قائدین کو شاید اس امر کا بھی احساس نہیں ہے کہ ملت کے اندر سے خواتین اور مردوں کے کتنے ہی ایسے گروہ ابھر رہے ہیں جو پورے ملک میں مسلمان خواتین کی دینی وابستگی کو رفتہ رفتہ متاثر کر رہے ہیں۔ کتنی ایسی رضا کار تنظیمیں (NGO's) ہیں جو پسماندہ اور مفلوک الحال مسلم خواتین کو روزگار دلانے کے بہانے ان کو دینی اقدار سے دور لے جانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ مسلم خواتین کی معاشی بدحالی اور ان کے خاندان کے مردوں کی بے روزگاری سے مصیبت میں مبتلا یہ خواتین ان رضا کارانہ تنظیموں (NGO's) کے زہریلے سایہ عاطفت میں پناہ لیتی ہیں اور وہاں دستکاری اور ہنر حاصل کرتی ہیں۔ اس دوران وہ ان مراکز سے دینی اقدار سے بے زاری اور جدیدیت کا تحفہ بھی لے جاتی ہیں۔ ایسی (NGO's) کے اپنے تہذیبی کارناموں کی شہرت وہ خود ہی کرتی ہیں۔ ان میں سے کتنی ایسی انجمنیں بھی شامل ہیں جو حیدرآباد، بنگلور، ممبئی، دہلی اور کولکاتہ میں سیکولر انجمنوں اور حکومتی یا نیم حکومتی اداروں کے تعاون سے کام کر رہی ہیں۔
ملت کی دینی حمیت کا تقاضا یہ تھا کہ ہم اس میدان میں خود پیش قدمی کرتے تاکہ ایک طرف ان خواتین کی معاشی مصیبت کا ازالہ بھی ہوتا اور دوسری طرف دینی اقدار سے ناواقفیت دور ہوتی اور اپنی تہذیب وثقافت سے شعوری لگاؤ بھی بڑھتا۔ خواتین کی کتنی ایسی انجمنیں ہیں جو پورے ملک میں اسلام کی عادلانہ تعلیمات کو غلط روشنی میں پیش کرنے کے لیے سمینار اور کانفرنسیں منعقد کر رہی ہیں، جہاں دین حق سے جہالت، اور جدیدیت سے رغبت کے متعدد کرشمے سامنے آتے ہیں۔ ان میں سے کتنی ایسی انجمنیں ہیں، جن کی قیادت تعلیم یافتہ مسلم خواتین کر رہی ہیں۔ بنگلور کے مسلم پرسنل لا بورڈ (منعقدہ ۲۸/اکتوبر ۲۰۰۱) کے اجلاس کے بعد ایک خاتون نے دھرنا بھی دیا تھا اور 'مسلم مہلا آرگنائزیشن' کی صدر نے کل ہند دورے کا پروگرام بھی بنایا تھا۔ اس کے بعد 'مسلم ویمن فورم' (Muslim Women Forum) کی طرف سے دہلی کی ایک مسلم خاتون نے کل

Marfat.com

ہند سمینار بھی منعقد کیا تھا تا کہ مسلمان خواتین کی حالت زار پر فوکس (Focus) کیا جائے۔ حیدر آباد کی کل جماعتی متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی (برائے خواتین) نے ایسے اداروں کی ایک فہرست بھی شائع کی ہے۔ اس سنگین حالات میں ہمارے علماء کا ایک گروہ صرف 'تحفظ مسلک' پر عمل پیرا ہے، اپنے خطبات اور اپنی تحریروں میں دوسرے مسالک کے خلاف زہر اگلنے میں مصروف ہے۔

اپنی بزرگ شخصیتوں کا دفاع اور اپنے پسندیدہ مسلک کے حق میں استدلال ایک جائز طرز عمل ہے۔ لیکن ہر عمل کا ایک وقت ہوتا ہے اور ہر دفاع کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔ یہ وقت مسلکی دفاع کا نہیں ہے، بلکہ دین حق کے تحفظ اور فروغ کا ہے۔ اگر خدانخواستہ دین کمزور ہوگا تو مسلک خود ہی کمزور ہو جائیں گے۔

'تحفظ مسلک' کے اس شغل میں ایک اور افسوسناک کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ کچھ لوگ اخلاق اور دیانت داری کو بالائے طاق رکھ کر اپنے سے مختلف نقطۂ نظر رکھنے والوں کی تحریروں کو مسخ کرتے ہیں۔ ان سے غلط نتائج نکالتے ہیں اور اُن پر ایسی غلطیوں کا بہتان باندھتے ہیں جو ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھیں، اور نہ ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ یہ دین کی اخلاقی تعلیمات سے شعوری گریز کے مترادف ہے۔ وہ باخبر عوام میں اپنی ساکھ کو متاثر کرتے ہیں۔

دینداری کا حقیقی جوہر، اخلاقیاتِ عالیہ ہیں۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ

"مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے میری بعثت ہوئی ہے۔"

جب عام بیدار مغز اور تعلیم یافتہ لوگ دیکھتے ہیں کہ جبہ و دستار بھی جھوٹ اور فریب کاری سے نہیں روک سکتا، جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اپنے سے مختلف رایوں کے حاملین کی آبرو ریزی سے بھی یہ لوگ احتراز نہیں کرتے، جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ 'قال اللہ' اور 'قال الرسول' کہنے والے لوگ بحث اور مباحثہ کو باہمی جنگ و جدل بنا لیتے ہیں، تو ان کی نظر میں کسی ایک مسلک کے ماننے والے لوگوں کی نہیں، بلکہ تمام ہی دینداروں کی وقعت صفر ہو جاتی ہے۔ کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اپنے غرور علم و فہم میں ہمالیہ کی چوٹی سے پرے کھڑے ہیں۔

دہلی میں ایک بزرگ ہیں جو خیر سے عالم دین کی حیثیت سے معروف ہیں۔ وہ اس غرور کے مارے ہیں کہ ملت اسلامیہ، علم و تقویٰ کی جس کہکشاں کے سہارے آج تک زندہ ہے، اُس

Marfat.com

کے تمام تابندہ ستاروں پر گرد ڈال دیں تاکہ ایک طرف تو ان بطلہائے عظمت سے عقیدت ختم ہو جائے اور دوسری طرف اس پیغام حق کی صداقت مجروح ہو جائے، ایک دوسرے جوان بزرگ ہیں جو اپنے دامن کے دھبوں کو دیکھنے کے بجائے دوسروں پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔ ان کی اپنی زندگی ان تمام دعوؤں اور اظہار مبارزت کے عملی شواہد سے خالی ہے، جس سے انحراف کا وہ دوسروں کا نام لے کر طعنہ دیتے ہیں۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ ان کے طرز عمل سے ملت میں بیزاری اور انتشار پھیل رہا ہے یا اتحاد اور خیر سگالی کی فضا قائم ہو رہی ہے؟

اس ستم کا شکار ماضی میں جماعت اسلامی ہند بھی بن چکی ہے، اس بے چاری جماعت کا قصور صرف یہ تھا کہ اس نے مسلمانانِ ہند کو اپنا نصب العین یاد دلایا تھا اور علماء اور عوام دونوں کو یہ دعوت دی تھی کہ 'خیر امت' کے منصب کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہتمام کریں۔ اس جماعت نے ملت کو یہ شعور دینے کی کوشش کی تھی کہ وہ معروف معنوں میں کوئی قوم نہیں ہے بلکہ حزب اللہ ہے۔ ایک عظیم الشان عقیدے پر مبنی ایک نظریاتی جماعت ہے، اس کا وظیفۂ حیات، اللہ کے دین کی برتری اور اس کو انسانیت عظمیٰ تک باحسن وجوہ پہنچانا ہے، مگر چوں کہ یہ دعوت کسی خاص مسلک کے حاملین کی طرف سے نہیں دی گئی تھی اس لیے فتاویٰ کی یورش سے اس کا استقبال کیا گیا۔ چوں کہ اس کا مؤسس کسی دینی درس گاہ کا فارغ نہ تھا اس لیے اس کو اور اس کے متبعین کو خارجی قرار دیا گیا۔ بعض ستم ظریفوں نے اس کے کارکنوں سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنا حرام قرار دیا۔ شکایت یہ نہیں ہے کہ یہ فتاویٰ کیوں دیے گئے۔ بلکہ شکایت یہ ہے کہ اس طرح، نقصان کس کا ہوا؟ خسارہ کس کو برداشت کرنا پڑا؟ اجتماعی قوت کس کی کمزوری پڑی؟ کیا جماعت اسلامی کی اس مخالفت کی دھن میں ایسا نہیں ہوا کہ اس نصب العین پر ہی ضرب لگ گئی، جس کی حامل پوری امت مسلمہ تھی۔ آج بھی جن دو حضرات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ بھی حقیقت نفس الامری کے لحاظ سے یہی کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔ اول الذکر بزرگ تو 'اقامت دین' کے نصب العین کو غیر معتبر قرار دے رہے ہیں۔ دوسرے جوان بزرگ اس جماعت کی جدوجہد پر حرف گیری کر کے اس پوری جدوجہد کو غیر معتبر قرار دے رہے ہیں۔ جس کو اس مشغلہ کا شوق ہو، وہ اس میں ضرور مصروف رہے، لیکن اتنا ضرور سوچ لے کہ ان کی جدوجہد، میزانِ عمل کے کس پلڑے میں اپنا وزن ڈال رہی ہے۔

تاریخ بہت بے رحم محاکمہ کرتی ہے۔ وہ بے لاگ فیصلہ کرے گی جب اس کا وقت

Marfat.com

آئے گا۔ لیکن علم وخبر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی اس حیرت افزا دنیا میں ہماری اور آپ کی تحریریں، ان کا ہر لفظ ہماری اجتماعی اور پرائیویٹ زندگی کا ایک ایک لحہ خفیہ اور علی الاعلان کیمرے کے سامنے ہے۔ نہ آپ اس خیال میں رہیں کہ آپ کا طرز استدلال اور آپ کے پیش کردہ حقائق اور ہماری پیش کردہ چیزیں صرف اپنے عقیدت مندوں کی نگاہ سے گزریں گی بلکہ پوری دنیا انہیں دیکھے اور پرکھے گی۔ پھر اپنا فیصلہ کرے گی کہ کون حق وصداقت پر قائم ہے اور کون فریب دہی پر عامل ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ یہ فیصلہ کرلیں کہ اس وقت اسلام اور ملت اسلامیہ کو کس چیز کی ضرورت ہے۔ آج آپ کا اور ہمارا آشیانہ، طوفان برق وباد کی زد پر ہے۔ اس کا ہر تنکا کمزور ہوگیا ہے، اس صورت حال میں جس کسی تنکے میں جان مدافعت باقی ہے، اس کو چن چن کر ایک مضبوط دھاگے میں باندھ لینا چاہیے۔ اگر ہماری اور آپ کی زبان درازی سے یہ "تنکوں کی وابستگی" کمزور پڑگئی تو نہ آپ محفوظ رہیں گے، نہ ہم۔

اس وقت ہندستان کے عوام اور خواص، شعوری یا غیر شعوری طور پر آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ وہ جس سیاسی اور ثقافتی بحران میں مبتلا ہیں، اس کا علاج مفقود ہے۔ ملت اسلامیہ کے پاس ان کے مرض کا علاج موجود ہے، مگر المیہ یہ ہے کہ مسیحا خود ہی بیمار ہے۔ وہ دور حاضر کے مرض کو شفا اور صحت یابی کی دلیل سمجھتا ہے اور اپنے نسخہ شفا سے غافل ہے۔ اس وقت ملت اسلامیہ کا اور عام انسانیت کا مستقبل اس ذات اقدس کی اتباع سے وابستہ ہے جسے اللہ رب العزت نے رحمۃ للعالمین کا نام دیا تھا۔ مگر اس نے اپنی پسندیدہ شخصیتوں کی عقیدت کو معاذ اللہ اُس ذات اقدس کی عقیدت پر عقیدۃً تو نہیں، عملاً ترجیح دے دی ہے۔ انسانی زندگی کی تاریخ بتاتی ہے کہ عمل، بسا اوقات عقیدے پر پردہ ڈال دیتا ہے، زبان اکثر اوقات غیر معتبر ہو جاتی ہے جب عمل اس کے خلاف ہو۔ آخرت کی خبر خدا جانے، لیکن دنیا میں تو:

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی

اگر ہم ہندستان والوں کے سامنے یہ تحفہ لے کر جائیں کہ ہمیں اخلاق ودیانت داری اور عدل وانصاف سے زیادہ دل چسپی اس فقہی فیصلے سے ہے کہ کون حربی ہے اور کون ذمی۔ کون سا خطہ زمین دار الاسلام ہے اور کون سا دار الحرب، تو ہم کیسے مسیحا کہلائیں گے؟ اگر مظلوم خواتین کی دادرسی سے زیادہ آپ کو اپنے مسلک کے اس موقف پر اصرار ہوگا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں

Marfat.com

غیر رجعی اور مغلظ ہیں تو آپ تعلیم یافتہ خواتین میں کیا تاثر پیدا کریں گے؟ اگر آپ نے باہمی اتحاد اور خیر سگالی کی جگہ پر کلامی مباحث کو اپنی مجلسوں کا شعار بنالیا تو عامۃ الناس آپ کے طرز عمل کو فساد قرار دیں گے یا اصلاح؟ اگر آپ اپنی مسجدوں کو فقہی مسالک کی بنیاد پر تقسیم کریں گے تو اسلام کے اس دعویٰ کا کیا بنے گا کہ "مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں" اور یَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا اگر آپ کے سماج میں شیخ، سید، جولاہے، درزی، نائی اور قصائی کا چلن ہوگا تو آپ خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ہندستانی سماج آپ کو اپنے میں ضم کرنے سے باز نہ رہے گا۔ آج تک اگر اس نے آپ کو ضم نہیں کیا ہے تو اس کے ذمے دار ہندو سماج کے سیاسی حالات تھے۔ آج وہ ایک چڑھتا ہوا سورج اور نشہ اقتدار میں مست سماج ہے، اس لیے وہ آپ نہ سہی، آپ کے پسماندہ طبقات کو جذب کرسکتا ہے۔ اس طرح آپ اسلام کے دعویٰ مساوات کو کھوکھلا ثابت کردیں گے۔ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم الشان نعمت یہ بتائی تھی:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ (ال عمران: ۱۰۳)

"یاد کرو وہ وقت جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دل آپس میں جوڑ دیے تو تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔"

لیکن مسلم ملت اتحاد و اتفاق کا نہیں، باہمی عداوت اور دشمنی کا ثبوت دے رہی ہے۔ اس ملک کا سماج خود ہی ذات پات اور اونچ نیچ کا شکار رہا ہے۔ اس کا مسئلہ یہی ہے کہ وہ کس طرح اجتماعی اتحاد پروان چڑھائے۔ وہ اس راہ میں آپ سے رہنمائی چاہتا ہے۔ مگر ملت اسلامیہ ہند تو خود ہی مسلکی اور گروہی عصبیت کا شکار ہے، وہ رہبری کیا کرے گی!

ظاہر میں امت مسلمہ مجتمع ہے، ایک نقطۂ نظر اور ایک عقیدے کی حامل ہے، لیکن باہم ایک دوسرے کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ ہم نے 'تحفظ مسلک' کو 'تحفظ ملت' پر ترجیح عطا کردی ہے۔ ہم نے اپنے نصب العین 'اقامت دین' کو فراموش کرکے 'اقامت مسلک' کا بیڑا اٹھالیا ہے۔ العیاذ باللہ، کہیں ہم قرآن کریم کی اس آیت کے مصداق نہ بن جائیں:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ (الفرقان: ۳۰)

"اور رسول (قیامت کے دن) کہے گا: پروردگار! میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔"

Marfat.com

یہ آئینہ ہے جس کا جی چاہے اپنا عکس دیکھ لے

قرآن حکیم کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ اس میں انسانی تاریخ کی جو بھی روداد بیان کی گئی ہے وہ بعد کے ہر دور پر چسپاں ہوتی ہے۔ قرآن روایتی انداز سے قصہ گوئی نہیں کرتا بلکہ حادثات اور واقعات کی اس طرح ترجمانی کرتا ہے کہ ان کی پشت پر کارفرما اساسی رجحانات اور محرکات واضح ہو جائیں۔ اس کی نظر میں تاریخی واقعات حق و باطل کو ایک دوسرے سے ممیز کرتے ہیں۔ باطل کے کڑوے اور کسیلے پھلوں کو حق پرستی کے شیریں اور خوش گوار ثمرات سے چھانٹ کر الگ کرتے ہیں تاکہ جو چاہے، پروردگار عالم کے اس خصوصی کرم سے فائدہ اٹھائے؛ اور جو چاہے گم گشتہ اور حیران رہے۔ ان قصوں کے اندر سے وہ موتی چن لیتا ہے اور خزف ریزوں کو رد کر دیتا ہے۔ واقعات کے نشیب و فراز سے وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ برائی کا انجام کار ہلاکت ہے۔ ظلم بالآخر سرنگوں ہوتا ہے۔ دولت آتی جاتی ہے۔ خدم و حشم باقی نہیں رہتے۔ واقعات کی اتھل پتھل، کسی اندھے اور بہرے مجموعہ عوامل کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ حکمت اور دانائی کا مظہر ہے:

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ (یوسف:۱۱۱)

"اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لیے عبرت ہے۔"

انقلابات زمانہ، اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا مظہر ہیں۔ کبھی کوئی سرفراز ہوتا ہے اور کبھی سرنگوں۔ ان دونوں حالتوں میں انسان کا کردار ابھر کر سامنے آتا ہے۔ ہر معاشرے کا طرز عمل اور اس کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ جاننا چاہتا ہے کہ کون ہے جو سرفرازی کے دور میں اپنے خالق و مالک کا باغی بن جاتا ہے اور اس کے دوسرے بندوں پر ظلم ڈھاتا ہے، اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی کا نعرہ بلند کرتا ہے؛ اور کون ہے جو اس کی نعمتوں پر شکر گزاری کا رویہ اختیار کرتا ہے، اور پکار اٹھتا ہے:

Marfat.com

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ ہ (النمل: ۱۹)

''اے میرے رب! مجھے قابو میں رکھ کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے۔ اور ایسا عمل کروں جو تجھے پسند آئے۔ اور اپنی رحمت سے مجھے صالح بندوں میں داخل کر۔''

اس حکمت بالغہ کا اظہار قرآن کریم میں اس طرح فرمایا گیا ہے:

وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ج وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُهَدَآءَ ط وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ہ

(ال عمران: ۱۴۰)

''یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں (اور کون نہیں ہیں) اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی گواہ ہوں، کیوں کہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔''

اپنی اس حیرت انگیز کردار نگاری کے ذریعہ اس نے یہ واضح کیا ہے کہ گمراہ بندوں اور دولت و قوت کے نشہ میں سرشار جماعتوں نے عام انسانیت کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا ہے اور کس طرح اپنی مادی قوت (اور ٹکنالوجی) کے زعم میں اس حقیقت کو بھلا بیٹھے کہ ہر چیز ناپائیدار ہے، بجز حق وانصاف اور انسانیت دوست اقدار حیات کے۔ اور یہ کہ ہر انسان کو اپنے خالق کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی دعوت کے جواب میں فرعون نے آپ پر یہ الزام لگایا کہ یہ شخص ہمارے مثالی طرز زندگی اور آئیڈیل معاشرے کو تباہ کرنے پر تلا ہے۔ اور اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا ہے:

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِهِمَا وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِکُمُ الْمُثْلٰی ہ (طٰہٰ: ۶۳)

''آخر کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ دونوں تو محض جادوگر ہیں۔ انکا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کردیں اور تمہارے مثالی طریقۂ زندگی کا خاتمہ کردیں۔''

یعنی ہمارا طریق زندگی بہترین اور آئیڈیل ہے، جس نے ہمیں دولت بھی دی ہے اور شان وشوکت

Marfat.com

بھی۔ یہ لوگ ہماری قوت اور خوش حالی سے متنفر ہیں، اس کو بدلنا چاہتے ہیں۔ اور ہمارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

ذرا ان کمزوروں اور ہمارے غلاموں (بنی اسرائیل) کی جسارت تو دیکھو کہ ہمارے منہ لگنا چاہتے ہیں۔ یہ قوم تو برسوں سے ہمارے زیرِ نگیں رہی ہے، اقتدار سے محروم اور مفلس و بدحال رہی ہے:

وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِہٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ج اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ o اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ مَھِیْنٌ ۵ وَّلَا یَکَادُ یُبِیْنُ o فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْہِ اَسْوِرَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ اَوْجَآءَ مَعَہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ مُقْتَرِنِیْنَ o فَاسْتَخَفَّ قَوْمَہٗ فَاَطَاعُوْہُ ط اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ o (الزخرف: ۵۱-۵۴)

''ایک روز فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا: لوگو! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے؟ اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں۔ کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا کہ میں بہتر ہوں یا یہ شخص جو ذلیل و حقیر ہے اور اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کر سکتا؟ کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے یا فرشتوں کا ایک دستہ اس کی اردلی میں آیا؟ اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی۔ درحقیقت وہ تھے ہی فاسق لوگ!''

مذکورہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں 'سحر' کی جگہ 'دہشت گردی' کی اصطلاح رکھ دیجیے پھر دیکھیے کہ اس میں اور حالیہ مہینوں میں قوت اور طاقت سے سرشار مغرب کے الزامات میں کتنی حیرت انگیز مماثلت ہے! طَرِیْقَتِکُمُ الْمُثْلٰی کے الفاظ مغرب کے غرور اور استکبار کی کیسی ترجمانی کر رہے ہیں! ۱۱ ستمبر کے حادثہ فاجعہ کے بعد اٹلی کے وزیر اعظم نے مغربی تہذیب کے بالمقابل اسلامی تہذیب کو فروتر قرار دیا تھا۔ (جس سے وہ بعد میں خود بھی پریشان ہوئے اور اتحادیوں کو بھی پریشان کیا)۔ صدر بش نے اپنے ایک بیان میں کھلم کھلا یہ فرمایا تھا کہ یہ حملہ، امریکہ کی بہترین معاشرتی اور سیاسی اقدار اور اس کے خوش حال معاشرے پر حملہ تھا۔ یہ حملہ درحقیقت بربریت کا مہذب سوسائٹی (Civil Society) پر، جمہوری اقدار پر، حریت فکر و نظر پر اور عام خوشحالی کے خلاف تھا جو غیر مہذب جنونیوں نے کیا تھا۔ حال ہی میں کولن پاویل نے اپنی حیرت اور صدمہ کا اظہار کیا ہے کہ دنیا کے تیسرے ممالک (بالخصوص شرق اوسط) میں لوگ ہم کو

Marfat.com

برائی اور شیطانیت کا علمبردار کیوں سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ ہم تو جمہوری قدروں، انسانی مساوات، انسانی حقوق اور جنسی حقوق کے محافظ اور علمبردار ہیں۔ اس سے پہلے صدر ریگن اور مسٹر بش مسلمان ملکوں کے بعض قائدین کو پاگل کتا (Mad Dog) قرار دے چکے ہیں۔ مادی اور ٹکنالوجکل ترقی، معاشی خوشحالی اور عسکری قوت کے سب سے اونچے معیار پر فائز اس ملک کے خواص کو اپنا طرز زندگی اور اپنا معاشرہ، مثالی اور آئیڈیل نظر آتا ہے۔ مگر وہ ان دکھوں سے واقف نہیں ہیں جن میں امریکی عوام کی ایک معتدبہ تعداد مبتلا ہے۔ انہوں نے اپنے عوام کو اس سے بے خبر رکھا ہے کہ پوری دنیا میں وہ ظلم اور استحصال کی قوتوں کے حامی اور موید رہے ہیں۔ انہوں نے ڈکٹیٹروں، بادشاہوں اور غیر جمہوری نظام کے علم برداروں کی حمایت کی ہے۔ انہوں نے جمہوری طرز پر منتخب ایک صدر ایرانی (مصدق) کو ملک سے بھاگنے پر مجبور کیا تھا۔ ایل سلواڈور کے منتخب صدر کو بے دخل کیا تھا۔ ایرانی بادشاہ اور ان کے جاسوسی نظام کی بے دریغ مدد کی۔ الجزائر میں جمہوری تحریک کو ناکام بنانے میں فرانس کی مدد کی۔ اسی طرح دنیا کے بیشتر ممالک میں امریکہ نے غیر جمہوری اور ظالم طاقتوں کی پشت پناہی کر کے خود کو ''جمہوریت کا علمبردار'' کہلانے کا حق کھودیا ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے اپنی تاریخ میں صرف جمہوریت ہی نہیں بلکہ اور دوسری اقدار کو دوسرے ملکوں میں نشوونما دینے اور ان کے فروغ کے لیے کبھی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ بلکہ اس کے برعکس سودی سرمایہ کو اکسپورٹ کیا تاکہ پسماندہ ممالک کے بازار میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کا غلبہ ہوجائے۔ اس طرح کی سب سے آخری کوشش گلوبلائزیشن ہے جس کے متعلقات اور پھر خود اس کا ریکارڈ امریکی مفادات کے جارحانہ تعاقب سے معمور ہے۔ ہم کو یہ تسلیم کرنے میں عار نہیں ہے کہ بعض سیاسی اور معاشرتی اقدار کے لحاظ سے امریکا دنیا میں ممتاز ہے، بلکہ بیشتر مسلم ممالک کے بالمقابل جمہوری مساوات، حریت فکر ونظر اور انسانی لحاظ سے بہت بہتر ہے، لیکن جن اقدار کو وہ اپنے ملک کے داخلی معاملات میں فروغ دیتا ہے، بیرون ملک ان کی دھجیاں اڑاتا ہے۔ فکر ونظر کی جس آزادی کا وہ اپنے ملک میں فروغ اور استحکام کا داعی ہے، بعینہ اسی نعمت سے وہ دنیا کو محروم کرنے پر آمادہ پیکار رہتا ہے۔ عدل وانصاف کے جن اصولوں کو وہ اپنے ملک کے اندر محفوظ رکھنے کا داعی ہے انہیں کو وہ بین الاقوامی مناظر سیاست ومعیشت میں پامال کرتا ہے۔ اس دورنگی اور منافقت پر قرآن کریم کا تبصرہ پڑھ لیجیے۔ اس لیے کہ یہ منافقت ہر دور میں خدا سے بے نیاز بندوں کا شیوہ رہا ہے۔ دولت اور قوت میں مست انسانوں نے ہمیشہ اس کا مظاہرہ کیا ہے، دوغلی

Marfat.com

پالیسی کے باوجود ان لوگوں نے اپنی خوبی کا، اور اپنی اقدارِ حیات کا اعلان کیا ہے اور آج بھی اعلان کرتے نہیں تھکتے:

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُزَکُّوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ ؕ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ وَلَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿﴾ (النسآء: ۴۹)

''کیا تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جو اپنی پاکیزگی نفس کا دم بھرتے ہیں۔ حالاں کہ پاکیزگی تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے، عطا کرتا ہے۔''

کتنی حیرت ناک مماثلت ہے پاکیزگی نفس کا دم بھرنے والے پہلے لوگوں میں اور صدر امریکہ کے اس قول میں کہ ایران، عراق اور جنوبی کوریا، برائی کے محور ہیں (Axis of Evil)۔ پہلے بھی یہ غرور اور استکبار کے کلمات تھے، اور آج بھی ہیں۔

پاکیزگی نفس کا دم بھرنے والے اور اپنے معاشرہ کی مادی و عسکری قوت سے سرشار لوگ ہم کو آج یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اسلام کو جدیدیت کا لباس پہنانا ضروری ہے تاکہ وہ سول سوسائٹی سے ہم آہنگ ہو جائے، ترقی اور معیار زندگی کی بلندی کی جدوجہد میں اس راہ کو اختیار کر سکے جو امریکہ اور مغرب نے اختیار کی ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ مطالبہ وہ لوگ بھی کر رہے ہیں جو ہمارے ملک کو قدیم سنسکرتی کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ جن کی نظر میں اسلام ماضی پرست ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو قومی دھارے (Main Stream) کا حصہ بننے سے روک رہا ہے۔

قرآن کریم کی زبان میں اس مطالبہ کا بیان سن لیجیے:

قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ ہٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡہُ ؕ قُلۡ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَہٗ مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ ۚ (یونس: ۱۵)

''جب انہیں ہماری صاف صاف باتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کر لو۔ ان سے کہو: میرا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر یا تبدل کر لوں۔''

دوسری جگہ اس مطالبہ کا بیان اس طرح کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد ساتھ نہ ہوتی، تو ممکن تھا کہ تم ان کی خوشنودی (یا دعوت حق کے مزعومہ تقاضوں کے تحت) ان کی طرف جھک جاتے۔

وَاِنۡ کَادُوۡا لَیَفۡتِنُوۡنَکَ عَنِ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ لِتَفۡتَرِیَ عَلَیۡنَا غَیۡرَہٗ ٭ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡکَ خَلِیۡلًا ﴿﴾ وَلَوۡ لَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰکَ

لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ۙ (بنی اسرائیل: ۷۳، ۷۴)

"اے نبی! ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی کہ تمہیں فتنہ میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تا کہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ لو۔ اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنا لیتے۔"

آج بھی مغرب ہمیں یہ دعوت دے رہا ہے کہ تم دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ، ہماری طرزِ رہائش اور تہذیب سے ہم آہنگ ہو جاؤ تو تمہارے لیے دوستی کی راہیں کھلی ہیں۔ ہماری دولت کے خزانے سے تمہیں بھی عطایا اور تحائف مل سکتے ہیں ورنہ ہم تو جہادی اور دہشت گرد قرار دے ہی رہے ہیں یا کم از کم ان کا حلیف تو نامزد کر ہی دیں گے۔ یہ دعوت بھی ہے اور دھمکی بھی؛ جو کھلم کھلا ۱۵ عرب اور مسلم ممالک کے سفراء کو ۱۱ ستمبر کے واقعہ کے بعد دی گئی تھی۔

حضرت موسیٰ کے خلاف یہی الزام تھا کہ یہ لوگ فساد پھیلانے والے ہیں جس طرح آج کے مسلمان جہادی اور دہشت گرد ہیں۔

قرآن کا ارشاد ہے:

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (الاعراف: ۱۲۷، ۱۲۸)

"فرعون سے اس کی قوم کے سرداروں نے کہا: کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑ دے گا کہ ملک میں فساد پھیلائیں اور وہ تیری اور تیرے معبودوں کی بندگی چھوڑ بیٹھے۔ فرعون نے جواب دیا: "میں ان کے بیٹوں کو قتل کراؤں گا اور ان کی عورتوں کو جیتا رہنے دوں گا۔ ہمارے اقتدار کی گرفت ان پر مضبوط ہے۔" موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ اور آخری کامیابی انہیں کے لیے ہے جو اس سے ڈرتے ہوئے کام کریں۔"

یہ آئینہ ہے؛ جس کا جی چاہے اس میں اپنا عکس دیکھ لے کہ وہ فرعون کا ہم رکاب ہے یا موسیٰ کا مخلص پیرو! جس طرح فرعون کو اپنے طرزِ زندگی پر ناز تھا۔ اور جس انداز سے اس نے

Marfat.com

حضرت موسیٰ پر فتنہ وفساد کا الزام لگا کر پوری قوم بنی اسرائیل کو گردن زدنی قرار دیا تھا۔ اسی طرح کا طرز عمل آج مغرب اختیار کرنے پر آمادہ ہے۔

اسلام کی تبدیلی اور اس کی جدیدیت کاری میں دینی مدارس، حریفان مغرب کو سب سے بڑی رکاوٹ نظر آتے ہیں۔ ''یہ تشدد اور فساد کا گڑھ ہیں۔ یہ ماضی پرست ہیں۔ یہ جنگجو تنظیموں اور افراد کا گڑھ ہیں۔ ان کے علاوہ مساجد میں جن کے خطیب ماضی پرستی اور بنیاد پرستی کی تعلیم دیتے ہیں۔ طالبان انہیں مدارس کے طالب علم تھے۔'' اس الزام تراشی میں ہندستان کا سنگھ پریوار بھی شامل ہے۔ جنرل مشرف کی حالیہ تقریر پر تعریف اور تحسین کے جو ڈونگرے امریکہ میں برسائے گئے ہیں، ان کا ایک سبب ان کا یہ اظہار عزم تھا کہ وہ ان مدارس پر سرکاری گرفت مضبوط کریں گے۔ ان میں چن چن کر ان جرائم کو نیست و نابود کردیں گے جو جہادی گروپ کو غذا فراہم کرتے ہیں۔ اور ان خطیبان مسجد کی زبان بندی کریں گے جو دہشت گردی کی تعلیم دیتے ہیں۔ دھاندلی اور جھوٹ وخیانت اور اسلام دشمنی کی سیاست کو اس کی نہ فرصت ہے اور نہ پروا کہ وہ دیکھے کہ مدارس اسلامیہ میں کیا تعلیم دی جاتی ہے، کیسے کردار تیار کیے جاتے ہیں! غریب اور پسماندہ ممالک میں کس وسیع پیمانے پر یہ ادارے فلاحی تعلیمی مراکز کا کام کرتے ہیں! ان میں اگر چند ایک گم کردہ راہ نکل گئے تو کیا سارے نظام مدارس کو نیست و نابود کرنا ضروری ہے؟ امریکہ اور یورپ اور خود ہمارے ملک میں کتنے ہی فسادی اور دہشت گرد افراد اور گروہ ہیں جنہوں نے جدید تعلیمی اداروں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی ہے۔ ہندستان میں قتل وغارت گری کے ذمہ دار نکسلائٹس نے کس دینی مدرسے میں تعلیم پائی ہے؟ شمال مشرقی ریاستوں میں جنگجو قبائل نے کن مدارس میں تعلیم حاصل کی تھی؟ بلکہ اغلب یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر نے یونیورسٹی اور کالجوں میں درس حاصل کیا ہوگا! نیپال میں ابھی حال میں ماؤ وادی گروپوں نے سینکڑوں افراد کا قتل کیا ہے۔ اس سے قبل شاہ نیپال کو ان کے صاحبزادے نے بے رحمی سے قتل کیا تھا۔ وہ تو جدید تعلیمی ادارے کا پروردہ تھا! کوسوو اور بوسنیا میں ہزاروں معصوموں کا قتل اور ہزاروں ناکتخدا لڑکیوں کی عصمت دری کے ذمہ دار تو دور جدید کی اصطلاح میں مثقف اور تعلیم یافتہ افراد اور جماعت تھی۔ کیا ان افراد کی دہشت گردی سے ہم یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ ساری تعلیم گاہیں، تمام یونیورسٹیاں دہشت گردی کی آماجگاہ ہیں؟ پھر یہ تخصیص اسلامی مدارس کے ساتھ کیوں؟ عرب نیوز کے چیف ایڈیٹر خالد المہنا کے ایک خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے، جو موصوف نے صدر بش کے اس خط

Marfat.com

کے جواب میں لکھا تھا جو انہوں نے سعودی عرب کے وزیرِ تعلیم کو لکھا تھا کہ سعودی عرب کے تعلیمی ادارے دہشت گردی کی پرورش کرتے ہیں:

''اگر اسکولوں کا نصاب براہ راست تشدد کو جنم دیتا ہے تو امریکہ کو بھی اپنے اسکولوں کے نصاب کو یکسر تبدیل کرنے کو اولین ترجیح دینی چاہیے۔''

چارلس وہٹ مین (Whitman) ایک یونیورسٹی کا طالب علم تھا جس نے اپنے ہم جماعت طلبہ اور اساتذہ کو قتل کر دیا تھا اور بہتوں کو زخمی کر دیا۔ کسی سعودی اسکول کا طالب علم نہیں تھا۔ اسکولی بچے جنہوں نے ریاض میں پرائمری تعلیم نہیں پائی تھی، کولمبائن اسکول میں قتل عام کا ارتکاب کیا تھا۔

چارلس مینسن (C. Manson) نے ظہران کے کسی اسکول میں تعلیم نہیں حاصل کی تھی جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ لینن خدا ہے؛ اور جنہوں نے اس کے احکام کی اندھی اتباع میں قتل کی مہم جوئی کی تھی۔ Timothy Mciegh اور UNA. Bomber نے مدرسوں میں تعلیم نہیں حاصل کی تھی۔ وہ ہزاروں لوگ جنہوں نے Rev. Jini. Jioes کے احکام کی اتباع میں جونسٹاؤن گیانا (Guyana) میں نومبر ۱۹۷۸ء میں خودکشی کی تھی۔ دینی مدارس کے طالب علم نہیں تھے، ڈیویڈ قریش David Koresh 'چلڈرن آف گاڈ' کے بانی، موسی ڈیوڈ، ایل. ران ہیڈ برد (L. Ron Hubbard) نے ایسے طبقات اور گروہ پیدا کیے تھے جو اندھی عقیدتوں سے سرشار اور دہشت گردی اور خودکشی کے عامل تھے۔ ان میں کسی نے بھی کسی دینی مدرسے میں تعلیم نہیں پائی تھی!

فلسطین میں قہر اور ظلم کے کارپردازوں نے کبھی کسی دینی مدرسے میں تعلیم نہیں پائی تھی۔ کیا ان گم کردہ راہ نوجوانوں کی حقیقت جھٹلائی جا سکتی ہے۔ کیا ان کی وجہ سے یونیورسٹی اور کالجز بند کیے جانے چاہئیں؟ اور ان کے نصاب پر حرفِ تنسیخ بھر دینا چاہیے۔ واقعہ یہ ہے کہ مدارس پر ضرب، درحقیقت اسلام دشمنی کا شاخسانہ ہے۔ ہمارے بدخواہ حریف یہ جانتے ہیں کہ دینی تعلیم اور دینی مدارس مسلمانوں کی تہذیبی شناخت اور دینی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ (ابراھیم: ۴۶)

''انہوں نے اپنی ساری چالیں چل دیکھیں، مگر ان کی ہر چال کا توڑ اللہ کے پاس تھا۔ اگرچہ ان کی چالیں ایسی غضب کی تھیں کہ پہاڑ ان سے ٹل جائیں۔''

Marfat.com

Marfat.com

مولانا رفعت قاسمی کی اسلامی فقہ پر آسان اور مستند کتابیں

مسائل نماز — مسائل اعتکاف — مسائل تراویح — مسائل زکوٰۃ — مسائل جمعہ

مسائل خفین — مسائل شب برأت و شب قدر — مسائل آداب و ملاقات

مسائل عیدین و قربانی — مسائل شرک و بدعت — مجموعۂ خطبات ماثورہ

مسائل امامت — مسائل وضو — مسائل سفر — مسائل غسل — مسائل روزہ

297.04 ف 67 د
73587-U-67

مکتبہ خلیل

دورِ حاضر کا کرب
اور
اِسلام کا نظامِ رحمت

ڈاکٹر افضل الرحمٰن فریدی

مکتبہ خلیل
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور فون: 7321118

Marfat.com